سلسلہ مطبوعات ۵۷

اسلام اور گروہیت

مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ

شاہ ولی اللہ میڈیا فاؤنڈیشن

حرف اول

حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ، برعظیم میں اس حوالہ سے ممتاز حیثیت کے حامل ہیں کہ وہ اکابر واسلاف کی فکر کو حکیمانہ انداز میں دل نشین کرنے کی منفرد صلاحیت کے مالک تھے، زیرنظر پمفلٹ ان کی اس تقریر پر مشتمل ہے جوانہوں نے آج سے پچاس سال سے زائد عرصہ قبل جمعیۃ علماء آسن سول کے پلیٹ فارم سے ارشاد فرمائی تھی۔ جسکوانہوں نے بعدازیں خود قلمبند بھی کیا اور ماہنامہ دارالعلوم کے رجب تا شوال ۱۳۷۰ھ کے شماروں میں ''اسلام اورفرقہ واریت'' کے عنوان سے بالاقساط شائع ہوئی۔ چنداعدادوشمارتو پرانے ہوسکتے ہیں مگرفکر کی تازگی نہ صرف قائم بلکہ اسکی معنویت مزیددوچند ہوگئی ہے۔

برعظیم میں تقسیم انسانیت کا جو بیج انگریزی استعمار نے بویا تھا، وہ برگ وبارلایا تو یہ جنت کدہ جہنم زار میں تبدیل ہوگیا یوں آئے دن فرقہ واریت ،طبقاتیت، نسل پرستی ،لسانی تعصّبات سمیت کئی عفریت معاشرے کی وحدت کو تہہ وبالا کرنے میں مصروف ہیں۔ ایسے میں دین اسلام کا صحیح تعارف نہایت ضروری ہوجاتا ہے کیونکہ نادان لوگوں نے اس دین کو بھی فرقہ واریت کے فروغ کا ذریعہ بنارکھا ہے۔

زیرنظر خطبہ دین کے حقیقی کردار کونمایاں کرتا ہے اور اسلام کی وحدت انسانیت کی فکر کو اُجاگر کرتا ہے اوراس حوالہ سے اسکا مطالعہ کئی فکری گرہوں کے کھولنے کا ذریعہ ثابت ہوگا۔ انشاءاللہ۔

چیئرمین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اسلام اور گروہیت

حمد وصلوۃ کے بعد ارشاد ربانی ہے۔ اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور تمہیں شاخ در شاخ اور خاندانوں میں اس لئے بانٹ دیا ہے کہ تم آپس میں متعارف رہو۔ باعزت وکرامت تم میں وہی ہے جو عنداللہ صاحب تقویٰ و پرہیز گار ہے۔ (سورۃ الحجرات پ ۲۶)

بزرگو اور دوستو! جمعیۃ العلماء آسن سول کے اس پلیٹ فارم سے اب تک مختلف مقرروں نے جو مقاصد حیاۃ پیش کئے ہیں میں ان سے زائد کوئی خاص بات نہیں کہوں گا بلکہ بلاکم وکاست انہی مقاصد کو دہراؤں گا جو سامنے لائے جاچکے ہیں کہ اس وقت ان سے آگے کوئی مقصد سامنے ہے بھی نہیں، فرق صرف یہ ہوگا کہ وہ اب تک آپ کے سامنے سیاسی زبان میں پیش کیے گئے ہیں۔ میں انہیں شرعی زبان میں پیش کروں گا اوروں نے، انہیں سیاسی دلائل کے ساتھ پیش کیا ہے۔ میں انھیں شرعی دلائل سے عرض کروں گا اور حضرات نے ان کے حل کی سیاسی تدابیر بتلائی ہیں میں شرعی تدابیر عرض کروں گا۔ غرض مسائل اور مقاصد کا فرق نہ ہوگا۔ صرف دلائل اور نوعیت کا فرق ہوگا۔

(اس کے بعد حضرت قاری صاحبؒ نے ہندوستان میں مسلم اقلیت کے مسائل کے حوالہ سے مختصر گفتگو کی جو یہاں حذف کی جارہی ہے۔ ش۔م۔ف)

میرے نزدیک مسئلوں کا صحیح اور ٹھوس حل صرف ایک ہی ہے کہ آپ خدا

کے اٹل قانون فطرت کے زیر سایہ زندگی بسر کریں۔ کیونکہ فطرت پر رہنے ہی میں کلی وقار وعزت اور امن وسکون ہے اور خلاف فطرت زندگی گزارنے میں یقیناً ہر نوع کی بے عزتی، بے وقعتی اور بے سکونی ہے۔ خواہ کوئی بھی شعبہ زندگی ہو۔ گو قانون فطرت ہی کا دوسرا نام اسلام ہے۔ مگر میں نے باول وحلہ اسلام کا لفظ اسلئے استعمال نہیں کیا کہ آج ملک میں فرقہ وارانہ فضاء کی وجہ سے دماغوں میں فرقہ وارانہ کشیدگی کا زہر پھیلا ہوا ہے۔ اور فضاء میں جب بھی مذہب کا نام آتا ہے کہ اس کا ملکی معاملات میں کچھ دخل ہے تو لوگوں کے ذہن فوراً ہی اس کشیدگی کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں جس کی گردن پر لاکھوں بندگان خدا کا خون ہے اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس نام کو بھی شکوک وشبہات کی نظر سے دیکھا جانے لگتا ہے لیکن میں عرض کروں گا کہ اگر میں اسلام ہی کا لفظ استعمال کروں اور پولیٹیکل معاملات میں اس کا ذکر چھیڑوں تو آپ ڈریں نہیں۔ اسلام دنیا میں تعصّبات یا فرقہ وارانہ کشیدگیاں اور دھڑے بندیاں کرنے کے لئے نہیں آیا بلکہ وہ ان تفرقوں کو مٹانے کے لئے آیا ہے اور نہ صرف اخلاقی ہی طور پر بلکہ اصولاً اور قانوناً بھی یعنی وہ اپنی اصولی اور قانونی حیثیت میں بھی اختلاف اور جتھے بندیوں کا سرچشمہ نہیں بلکہ اتحاد ذات البین اور اس سے آگے بڑھ کر بین الاقوامی اتحاد کا پیغام لے کر آیا ہے۔ پس اختلاف خود اس کا ثمرہ نہیں بلکہ اس سے ہٹ جانے کا نتیجہ ہے۔ فرقے بنتے ہی ہیں اس سے ہٹ جانے اور اسے چھوڑ بیٹھنے پر۔ اس نے دعویٰ کیا ہے کہ جب ابتداء آفرینش میں دنیا کے انسان مجھے پکڑے ہوئے تھے تو امۃ واحدہ تھے اور ان میں کوئی فرقہ واریت نہ تھی، لیکن بعد میں جب انسانوں نے میری رسی چھوڑ دی اور خودرائی پر آ گئے تو فرقے بن گئے۔ پھر بھی میرے ہی داعیوں نے ان کی فرقہ واریت کو مٹانا چاہا اور بہت کچھ مٹایا بھی مگر بعض نے مانا اور بعض نے نہ مانا اور دعوت رد کر کے اپنے اُسی انتشار اور پراگندگی پر جمے رہے۔

ارشادِ ربانی ہے! سب آدمی ایک ہی طریق کے تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں کو بھیجا جو کہ خوشخبری سناتے تھے اور ڈراتے تھے اور ان کے ساتھ کتابیں بھی ٹھیک طور پر نازل فرمائیں۔ اس غرض سے کہ اللہ تعالیٰ لوگوں میں انکے امور اختلافیہ میں فیصلہ فرمادیویں اور اس کتاب میں اختلاف اور کسی نے نہیں کیا مگر صرف اُن لوگوں نے جن کو وہ کتاب ملی تھی بعد اسکے کہ ان کے پاس دلائل واضح پہنچ چکے تھے باہمی ضد اضدی کی وجہ سے پھر اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کو وہ امرِ حق جس میں اختلاف کیا کرتے تھے۔ بفضلہٖ تعالیٰ بتلادیا اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہتے ہیں اس کو راہ راست بتلادیتے ہیں۔ (سورۃ البقرۃ آیت نمبر ۲۱۳)

پھر انسانی ازل کی طرح انسانی ابد کے بارے میں بھی اسی نے دعویٰ کیا کہ دنیا بالآخر پہلے کی طرح آخر میں بھی مجھے ہی پکڑے گی اور لوگ مجبور ہو کر اور ہر طرف سے تنگ آ کر میرے ہی دامن میں پناہ لیں گے تو پھر وہ اُمۃ واحدہ بن جائیں گے اور ان کی یہ فرقہ واریتیں مٹ جائیں گی۔ رسول اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے۔

''زمین کی پشت پر کوئی مٹی اور کپڑے کا گھرانہ باقی نہ رہے گا کہ اللہ اس میں اسلام کا کلمہ داخل نہ کردے۔ خواہ عزت والوں کی عزت وشوکت سے یا ذلت والوں کی ذلتوں سے تنگ ہو کر راوی نے کہا تو پھر تو دنیا میں پورا دین صرف اللہ ہی کا ہو جائیگا۔ یعنی نہ کوئی فرقہ رہے گی اور نہ کوئی مسلک اور ازم باقی رہیگا''۔

پس ایسی نعمت کے نام سے آپ کیوں ڈرتے ہیں جو آئی ہی ہے دنیا سے فرقہ واریت کو نیست ونابود کرنے کیلئے اور اس نے ماضی میں ایسا کر کے دکھلایا بھی ہے اور مستقبل کے لئے اسی کی پیشگوئی بھی کی ہے جو یقیناً پوری ہو کر رہے گی۔

پس جبکہ آپ کا دعویٰ اور مقصد بھی فرقہ واریت کو مٹانا ہے تو آپ اسلام کی تکذیب یا

اس سے بے اعتنائی کر کے خود اپنی تکذیب کر رہے ہیں اور خود اپنے ہی کو بھولتے جا رہے ہیں۔ اس لیے اس سے گھبرانے کی ضرورت نہیں اسے سمجھنے کی ضرورت ہے۔

اسلام فرقہ واریت کو ہوا تو کیا دیتا وہ تو آپ کی اس اصطلاحی جمہوریت اور عوامیت کی آخری حد کو بھی ناکافی جمہوریت بلکہ فرقہ واریت کہتا ہے کیونکہ اس کی جمہوریت ان بناوٹی جمہوریتوں سے کہیں زیادہ بلند اور بالاتر ہے آپ کے یہاں تو فرقہ واریت صرف یہ ہے کہ مذہب کے نام پر کوئی سیاسی جماعت کھڑی ہو کر پارلیمنٹری سیاست لڑے اور اس سے ایک ملک کے مذہبی فرقوں میں کشیدگی اور کشمکش شروع ہو جائے کہ یہ رقابت اور پھوٹ آپ کے نزدیک ملک کے لئے مضر ہے۔

لیکن اسلام کہتا ہے کہ اگر تم نے وطن کے نام پر تمام مذہبی فرقوں کو جمع بھی کر لیا اور وہ کسی حد تک ہم آہنگ بھی ہو گئے تو جبکہ آج کل کے بین الاوطانی وسائل حیات اور ہمہ گیر ایجادات و مخترعات کے دور میں کسی ملک کی سیاست بھی محض داخلی اور مقامی معاملات کی حد تک نہیں ٹھہر سکتی بلکہ امور خارجہ اور بین الاقوامی اور بین الاوطانی سیاست ہی پر جا کر رکتی ہے۔ تو ظاہر ہے کہ جب ہر ملک اپنے مفاد کو سامنے رکھ کر معاملات کا تصفیہ چاہے گا تو لامحالہ دو ملکوں کے مفادات کسی نہ کسی مرحلہ پر ٹکرا کر ان میں باہم وطنی رقابت پیدا کر کے رہیں گے اور اس صورت میں اگر مذہبی نہیں تو وطنی فرقہ واریت نمایاں ہو جائیگی۔ جو بالآخر اُسی کشیدگی اور جنگ و جدال پر منتج ہوگی۔

آج ہندو پاکستان میں کشمیر کا مسئلہ اور اس کی وجہ سے کشیدگی اور کشیدگی سے مختلف معاملات کی ناہمواری کون سے مذہب کے نام پر قائم ہے؟ محض وطن کے نام اور جغرافیائی مفادات اور ملکی حد بندیوں کے نام پر قائم ہے۔ جس کے تحت ہزار ہا بندگان خدا کی جانیں تلف

ہوچکی ہیں۔ کروڑوں روپیہ ضائع ہو چکا ہے اور ہنوز روز اول ہے۔ آج (سرد جنگ کے دور) چین اور امریکا کی جنگ یا روس اور امریکہ کی کشیدگی جس کے تحت اربہا ارب روپیہ اور لاکھوں انسان لقمۂ اجل ہو چکے ہیں۔ اور ابھی صرف جنگی تمہید ہی سامنے آئی ہے اصل جنگ کے لئے ابھی پر ہی تولے جارہے ہیں کون سی مذہبی فرقہ واریت کا نتیجہ ہے؟۔ یہ ترقی یافتہ ملک تو ملکی سیاست کے دائرہ میں مذہب کا نام لینا بھی کفر سے کم نہیں سمجھتے بلکہ محض وطنیت ہی کے بت کے سامنے ہی سربسجود ہیں تو پھر ان میں یہ فرقہ واریت کہاں سے آ گئی؟

ظاہر ہے کہ اگر فرقہ واریت دو گروہوں یا دو قوموں کے ٹکرانے کا نام ہے اور آپ بہر صورت اس سے بچنا اپنا فریضہ خیال کرتے ہیں تو اس کا سبب خواہ مذہب بنے خواہ وطن یا کوئی اور چیز بہر صورت اسے چھوڑ کر کسی اور ایسے معیار کو تلاش کریں جو اس فرقہ واریت سے بالا بالا آپ کو اتحاد بینی کی طرف لے جائے ورنہ پھر کہا جائے گا کہ آپ کو یہ دشمنی فرقہ واریت سے نہیں مذہب کے نام سے ہے۔ ہاں اگر کوئی مذہب ہی فرقہ واریت کی تعلیم دیتا ہو یا اس کی جمہوریت ہی میں فرقہ واریت گھسی ہوئی ہو اور تعصبات کو ابھار کر باہمی دشمنی پیدا کر دینا ہی اس کا نصب العین ہو یا کم از کم اس کا خاصہ ہو تو بلاشبہ ایسے مذہب کو سلام کئے جانے میں کوئی حرج بھی نہیں ہے۔

بہر حال آپ نے تو مذہبی فرقہ واریت کو ملک سے دور کرنے کے لئے وطن کے نام پر تمام مذہبی فرقوں کو جمع کر کے اطمینان کا سانس لے لیا تھا کہ اب ملک سے فرقہ واریت جاتی رہی اور جمہوریت قائم ہوگئی لیکن اسلام نے اس جمہوریت کو بھی فرقہ واریت ہی بتلایا کیونکہ اب بھی وہی کشیدگی اور رقابت بدستور قائم رہی ایک صوبہ میں نہ سہی چند صوبہ جات میں باہم رہی اور چند صوبجات میں نہ سہی ایک ملک کی دوسرے ملک سے رہی۔ پس یہ فرقہ وارانہ کشیدگی کسی بھی نام سے ہو اور کسی بھی حصہِ ملک یا حصہِ دنیا میں ہو۔ اپنے مہلک نتائج یقیناً اپنے ساتھ رکھتی ہے۔ اس

لئے اسلام ایسی وطنی جمہوریت کو بھی فرقہ واریت ہی کہے گا۔ کیونکہ نتیجہ میں یہ وطنی فرقہ واریت اُس مذہبی فرقہ واریت سے کم نہیں ہے نیز اس لئے بھی ہے کہ اس کی لائی ہوئی جمہوریت دنیا کی ان جمہوریتوں سے بہت بلند اور اعلیٰ الاطلاق ہمہ گیر ہے۔ اس کا مقصد تو یہ ہے کہ دنیا میں سارے انسان بھائی بھائی کی طرح زندگی بسر کریں نہ مذہبی فرقہ واریت رہے نہ وطنی فرقہ واریت اور نہ ہی اور کسی قسم کی فرقہ واریت قائم رہے بلکہ پوری دنیا ایک ہی عالمگیر ملک اور ایک ہی فطری ہمہ گیر ازم پر آ جائے۔

ارشاد ربانی ہے! وہ اللہ تعالیٰ ایسا ہے کہ اُس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچا دین دے کر بھیجا تا کہ اس کو تمام دینوں پر غالب کر دے اور اللہ تعالیٰ کافی گواہ ہے۔ (سورۃ الفتح آیت نمبر ۲۸)

پس آپ اسلام کے نام سے ڈریں نہیں اور گھبرائیں نہیں اُس کا نصب العین اُس فرقہ واریت کو ہوا دینا نہیں جو انسانوں سے انسانوں کا خون ناحق کراتی ہے بلکہ اُس کا استیصال (جڑ سے ختم کرنا) کرنا ہے اور نہ صرف ایک ہی قسم کی فرقہ واریت کو مٹانا ہے بلکہ عادتاً دنیا میں جتنی نوع کی ہی مہلک اور خون خوار فرقہ واریتیں ہو سکتی ہیں اُن سب کو ختم کر کے ایک ایسی عالمگیر جمہوریت کا فطری نظام قائم کرنا ہے جس میں ساری دنیا کے انسان مل جل کر بھائی بھائی کی طرح زندگی بسر کریں اور ایک نظام میں منسلک ہوں۔ اُن کی حکومت بھی عالمی ہو اور مسلک بھی عالمی وہ اقوام نہ ہوں بلکہ قوم واحد ہوں اور ان کے وطن کے ٹکڑے نہ ہوں بلکہ ساری دنیا وطن واحد ہو سیاست بھی ایک ہو اور دیانتاً بھی ایک ہو۔

اسلام نے یہ دعویٰ کیوں کیا؟۔ کسی عصبیت یا خوش اعتقادی کے طور پر نہیں بلکہ اپنے عالمگیر اُصول کے بل بوتہ پر اُس نے اصولاً ایک ایسی عالمگیر برادری کا پتہ دیا جس میں تمام انسان

انسانیت کی حیثیت سے بھائی بھائی ہو جاتے ہیں اور یہ مصنوعی اونچ نیچ ختم ہو جاتی ہے جو دنیا کو مختلف رنگ کے فرقوں میں بانٹے ہوئے ہیں۔ دنیا میں سب سے پہلی فرقہ واریت اور گروہ بندی نسبت کے بل بوتہ پر ہوتی ہے ایک طبقہ اپنے کو سورج کی اولاد کہتا ہے اور دوسرے کو سیاہ توے کی، ایک اپنے کو خدا کے منہ سے نکلا ہوا بتلاتا ہے اور دوسرے کو پاؤں کے نیچے سے پیدا شدہ، اس لیے اپنے کو اونچ کہتا ہے اور دوسرے کو نیچ۔ اس کے پاس بیٹھنے سے عار کرتا ہے اُس کے ساتھ مل کر عبادت سے پرہیز کرتا ہے۔ اُس کے ہاتھ سے کھانا گوارا نہیں کرتا اُس کے سایہ سے بھاگنا ضروری خیال کرتا ہے۔ نسبی شرکت میں احتراز کرتا ہے اور اسطرح دو قوموں میں اونچ نیچ سے چھوت چھات پیدا ہو جاتی ہے اور دو طبقے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ایک دوسرے سے جدا اور منقطع ہو جاتے ہیں گویا وہ دونوں ایک نوع کے افراد ہی نہیں تھے بلکہ ایک نوع آسمانی تھی اور ایک زمینی۔ ظاہر ہے کہ اس سے بڑھ کر فرقہ واریت کا مظاہرہ اور کیا ہو سکتا ہے کہ ایک انسانی طبقہ دوسرے طبقہ سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جدا ہو جائے اور انسانی برادری کے دو ٹکڑے ہو جائیں اور ظاہر ہے کہ اگر کسی مسلک کسی ازم میں یہ اصول موجود ہوگا تو وہ جمہوریت تو کیا جمہوریت کے نام سے بھی یہ آشنا نہ ہو سکے گا وہ انسانوں کو ملائے گا تو کیا، ہمیشہ ان کے ٹکڑے کرتا رہے گا جس سے جمہوریت کے بجائے انفرادیت بلکہ انقطاعیت (انسانیت کے ٹکڑے ٹکڑے کرنے) کے جراثیم اُن میں پرورش پاتے رہیں گے۔ چہ جائیکہ وہ عالمی حکومت یا عالمی مسلک دنیا کے سامنے لائے۔ یہ نسبی تفوق اور اونچ نیچ انسانوں کا ایک طبعی جذبہ تھا جو دنیا میں پھل پھول رہا تھا اور دنیا ٹکڑے ٹکڑے تھی نہ مذاہب اس سے روک رہے تھے نہ قومیں۔ بلکہ اس کو اپنا پیدائشی حق سمجھے ہوئے تھے کہ اچانک اسلام نے اپنا پہلا اصول اس نسبی فرقہ واریت کو مٹا کر نسبی یکسانی پیدا کر دینا قرار دیا تا کہ دنیا کے انسان ایک دوسرے کے قریب آ جائیں اور اُن میں ایک ہمہ گیر اشتراک عمل پیدا ہو۔ اس نے

اعلان کیا۔یاایھا الناس انا خلقناکم من ذکر وانثی !(اے لوگوں ہم نے تمہیں ایک ہی مرد اور عورت سے پیدا کیا ہے۔سورۃ الحجرات آیت نمبر۱۳) ایک ماں باپ کی اولاد ہی کو بھائی بھائی کہا جاتا ہے اور ان بھائیوں ہی کے درمیانی رشتہ کا نام اخوت اور برادری ہے اسلام نے ساری دنیا کے انسانوں کو اسی رشتہ اخوت کا پابند اور اُس سے جکڑا ہوا بتلایا نہ کسی کو سورج کی اولاد کہا اور نہ کسی کو کالے توے کی۔نہ کسی صنعت انسانی کو خدا کے منہ سے پیدا شدہ بتلایا اور نہ کسی کو پاؤں کا پامال کردہ بلکہ سب کو ایک ماں باپ کی اولاد کہہ کر انہیں ایک دوسرے کا مساوی اور ہمسر بتلایا۔ جن کی انسانیت میں کوئی باہمی تفاوت اور اونچ نیچ نہیں۔غور کیا جائے تو یہ اخوت مساوات سے کہیں زیادہ اونچا مقام رکھتی ہے۔کیونکہ عرفی مساوات کے معنی قانون میں برابری کے ہیں یعنی قانون کی نگاہ میں سب برابر ہوں۔یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ اپنی ذات سے بھی اونچ نیچ نہ ہوں بلکہ ذات پات کی اونچ نیچ ہوتے ہوئے قانون کی مساوات زیادہ نمایاں اور قابل قدر اور قابل مدح ہوتی ہے۔پس مساوات سے انسانوں کی یکسانی ثابت نہیں ہوتی۔قانون کی یکسانی ثابت ہوتی ہے۔لیکن اخوت کے معنی ہی عدم تفاوت کے ہیں۔کیونکہ اخوت کہتے ہیں ایک اصل کی ان چند فروع کو جو ایک اصل میں شریک ہوں اور ایک ماں باپ کی اولاد سے ہوں اور ظاہر ہے کہ جب تمام انسان ایک ہی اصل کی شاخیں اور ایک ہی ماں باپ کی اولاد ٹھہرے تو ان میں اونچ نیچ کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوسکتا اور اگر پھر بھی وہ اونچ نیچ ہوں تو وہ ایک اصل کے باقی نہیں رہ سکتے۔ پس اسی یکسانی برابری اور یک اصلی کا نام اخوت ہے اور اسی کے معنی بھائی بھائی ہونے کے ہیں۔ پس قرآن نے اس آیت میں سارے انسانوں کو بھائی بھائی کہہ کر ایک عالمگیر برادری اور حقیقی مساوات کا سبق دنیا کو پڑھایا اور اُن کے درمیان سے منافرت کی بیخ و بنیاد اُکھاڑ کر پھینک دی۔ کیونکہ منافرت اور وحشت دو جنس یا دو نوعوں کے افراد میں ہوسکتی ہے۔ایک نوع کے افراد اور ایک

اصل کی دو شاخوں میں وحشت اور نفرت کے کوئی معنی ہی نہیں۔ مجانست، موانست کی جڑ ہوتی ہے نہ کہ منافرت کی۔

پھر قرآن نے تو دنیا کے سارے انسانوں کو بھائی بھائی ہی بتلایا تھا جس سے ان سب کا ایک اصل ہونا واضح ہوا تھا۔ حدیث نبویؐ نے اور آگے بڑھ کر ان سارے انسانوں کو یک جوہر بھی ثابت کیا ہے۔ ارشاد ہوا۔

تم سب کے سب آدم کی اولاد ہو (یعنی باپ شریک بھائی ہو) اور آدم مٹی سے بنائے گئے ہیں (یعنی تمہارا جوہر خلقت بھی ایک ہی ہے اور وہ مٹی ہے)

اور ظاہر ہے جب مادۂ خلقت اور جوہر قوام بھی سب اقوام کا ایک ہی ہو تو عقلاً یا طبعاً اقوام عالم میں کوئی وجہ نفرت باہمی کی باقی نہیں رہتی بلکہ موانست باہمی کی بھی انتہائی حد آجاتی ہے۔ جس سے ایک کے درد کا دوسرے کو محسوس کرنا امر طبعی ہو جاتا ہے۔ شیخ سعدی نے اسی حقیقت کو نظم کا لباس پہنایا ہے۔

بنی آدم اعضاء یکد یگراند — کہ درآفرینش زیک جوہراند
چو عضوے بدرد آورد روزگار — دگر عضوہا را نماند قرار

پس جو قومیں انسانوں کو یک جوہر یا یک اصل نہیں بتلاتیں وہ دنیا میں کبھی بھی حقیقی جمہوریت کی علمبردار نہیں ہوسکتیں جس کے یہاں انسانوں کا کوئی طبقہ سورج کی اولاد ہو اور کوئی پیروں کی مٹی سے پیدا شدہ ہو اُن کے یہاں اونچ نیچ ہی نہیں۔ چھوت چھات بھی لازم ہوگی۔ جن کے یہاں گورے کو کالے پر پیدائشی تفوق ہو اور رنگ روپ اُن کے یہاں مابہ الفرق (جس کے ذریعہ فرق کیا جائے) ہو جن کے یہاں انسانوں کی کوئی ایک اصل نہ بلکہ انسان کسی جنگل میں پودوں کی مانند زمین سے اُگ آئے ہوں۔ اُن کے یہاں باہمی جذب وکشش کا کوئی سوال ہی

پیدا نہیں ہوتا اور جب انسانوں میں پیدائشی طور پر اونچ نیچ، چھوت چھات، برتری اور کہتری، اجنبیت اور علیحدگی بتلائی جائے جو میل ملاپ یا اشتراک و یکسانیت اور مساوات کے پیر جمنے ہی نہ دے تو وہاں عالمگیر جمہوریت کے نام لینے کے کوئی معنی ہی نہ ہونگے اور پھر بھی لیا جائیگا تو وہ دنیا کو دھوکہ دہی ہوگا جو کبھی شرمندۂ عمل نہ ہوگا۔ یورپ عالمگیر جمہوریت کا دعویدار ہے اور اُس نے بلاشبہ تمدنی وسائل کو عالمگیر بنا ہی دیا ہے۔ مگر پھر بھی وہ عملاً اُسے چلا نہیں سکتا کیونکہ وہاں کالے گورے کا فرق اور خون ونسب کی جوہری تفریق کا جذبہ موجود ہے۔ اور وہ کسی ایسے ازم اور مسلک پر اعتقاد نہیں رکھتا جو اُن کی روحوں اور دلوں میں حقیقی عالمگیری اور انسانی یکسانیت کا جذبہ پیدا کردے۔ اس لئے اس کا دعوی جمہوریت محض سیاسی مفاد کی حد تک آ کر رک جاتا ہے اور زبانوں پر رہ کر حلق سے نیچے نہیں اترتا چہ جائیکہ کسی مخلصانہ عمل کی داغ بیل بنے۔ اُن کا سب سے بڑا عملی میدان کالوں کو اپنی سیاست پر نچانا اور دعوائے جمہوریت کر کر کے انہیں نیچ اور غلام بناتے رہنے کی سعی کرتے رہنا اور اپنے سیاسی منافع کے لئے ان کے جذبات سے کھیلنا بلکہ ان کے سکرات موت (موت کی آخری کیفیت) سے تفریح کرنا ہے اور بس۔

ہاں حقیقی طور پر وہ ازم اور مسلک دنیا کے سارے انسانوں کو مساوات کے ساتھ ایک پلیٹ فارم پر لا سکتا ہے۔ جو انہیں ایک جوہر بتلا کر ایک ماں باپ کی اولاد بتلائے اور ان میں رشتہ یگانگت ہی نہیں رشتہ اخوت ثابت کر کے اُن کے باہمی تفرقوں کو مٹا ڈالے اور نسبی تفرقوں کو ختم کردے جو انسانی جہالتوں کی ابتدائی فرقہ واریت ہے اور وہ اسلام کے سوا ہمیں کوئی دوسرا مسلک نظر نہیں آتا۔

غور کیا جائے تو انسانوں میں یہ رشتہ یگانگت واخوت قائم کر کے اسلام نے مذہب ہی کا نہیں انسانیت کا احترام قائم کیا ہے اور ثابت کیا کہ انسانوں کا کوئی طبقہ کسی حالت میں بھی نجس

العین (ذاتی طور پر ناپاک) نہیں کہ وہ تو وہ اُس سے چھوئی ہوئی چیز بھی نجس (ناپاک) بن جائے انسان انسان ہے۔ اور اُنس اس سے کسی حالت میں منقطع نہیں ہوسکتا۔ اس کے افعال میں گندگی آسکتی ہے۔ اُسکے خیالات ناپاک ہوسکتے ہیں۔ مگر خود انسان اور انسانیت کا جوہر ناپاک نہیں ٹھہر سکتا اور اس انسانیت کی حیثیت سے بہر حال وہ واجب الاحترام ہی رہے گا۔ اُس کی انسانیت کبھی گندہ نہ ہوگی۔

اسی لئے شریعت اسلام میں کسی انسان کا (خواہ وہ مسلم ہو یا غیر مسلم) پس خوردہ (جوٹھا) ناپاک نہیں اُس کا ہاتھ لگا ہوا تو کیا ہی ناپاک ہوتا۔ یہ وہی انسانی اخوت کی پاسداری اور نفس انسانیت کا احترام ہے ورنہ اگر اس کی ہاتھ لگی خشک یا تر چیز یا اس کا پس خوردہ نجس و ناپاک اور واجب الاحتراز (لازمی پرہیز) بن جائے تو یہ درحقیقت اُس کے اصلی جوہر کی ناپاکی اور انسانیت کے گندہ ہونے کا دعویٰ ہوگا جس سے پھر کوئی انسان بھی پاک نہیں ٹھہر سکتا۔ حالانکہ یہ دنیا کی اقوام کے اجماع کے خلاف ہے کوئی قوم بھی علی الاطلاق تمام انسانوں کو ناپاک نہیں ٹھہرا سکتی۔

یہی وجہ ہے کہ شریعت اسلام نے حائضہ کو چھونے یا اس کا پس خوردہ استعمال کرنے یا اُسی کے ساتھ مل کر کھانا پینے کو ممنوع نہیں ٹھہرایا کیونکہ اس کی یہ ناپاکی ایک حکمی ناپاکی ہے جو عبادات خاصہ کی حد تک مؤثر ہوتی ہے۔ عورت کو نجس العین نہیں بنا دیتی کہ اس کے سایہ سے بھی فرار اختیار کیا جائے یا جاہلیت عرب اور یہودیوں کی طرح اس زمانہ میں اس کی جگہ کھانا پینا سب الگ تھلگ کر دیا جائے اور اُسے ایک اچھوت کی حیثیت سے پہلے انسانوں سے کاٹ دیا جائے کہ یہ براہِ راست انسانیت کی توہین ہے۔

ظاہر ہے کہ جو ازم اور مسلک اپنے ابتدائی اصولوں میں سب اقوام عالم کو بلحاظ جوہر پاک بتلائے، سب کو یک جوہر کہے سب میں برادری اور اخوت کا رشتہ ثابت کرے سب

میں سے مصنوعی اونچ نیچ ختم کر کے اُن میں یکسانی اور برابری ثابت کرے۔اُن میں سے چھوت چھات مٹا کر باہمی میل جول اور معاملات کے راستے ہموار کرے وہ اقوام عالم کو ملانے والا کہا جائے گا یا اُن میں فرقہ واریت اور کشیدگیاں پیدا کرنے والا سمجھا جائیگا۔اور آیا وہ سب کو ایک پلیٹ فارم پر لاسکتا ہے۔یا وہ جو اُن میں چھوت چھات اونچ نیچ اور تفاوت جوہر (بنیادی فرق) کا قائل ہو؟

پس جب بھی دنیا بین الاقوامیت کی طرف آئے گی اور جب بھی وہ عالمی رشتہ اور عالمی یگانگت کا نصب العین لے کھڑی ہوگی تو اس کے لئے چارہ کار نہ ہوگا کہ وہ اسلام کے اس اصولی یک جوہریت اور یک اصلیت کو ماننے اور اُس کے ذریعے سے اقوام میں سے نفرت باہمی اور اونچ نیچ کا خاتمہ کرے ورنہ بین الاقوامیت تو بجائے خود ہے، یک قومیت کی سطح بھی ہموار نہیں رہ سکے گی اور ایک ہی قوم میں اتنے تفرقے اور اتنی نفرتیں قائم ہو جائیں گی کہ اُن کا ایک پلیٹ فارم ایک معبد (عبادت گاہ) ایک مدرسہ اور ایک خانقاہ میں جمع ہونا محال ہو جائیگا۔جیسا کہ اس قسم کی تنگ دل اقوام میں اس کا مشاہدہ ہو رہا ہے۔

گاندھی جی نے اس حقیقت کو سمجھا اور انہوں نے ہندوستان کی نجات بالآخر اسی میں سمجھی کہ اپنی قوم میں سے اس اونچ نیچ اور چھوت چھات کا خاتمہ کریں وہ اس جذبہ کے ماتحت صرف کہتے یا لکھتے ہی نہ تھے بلکہ عمل بھی کر کے دکھاتے تھے۔اور دہلی جا کر اگر ٹھہرتے تھے تو بھنگی بستی میں ٹھہرتے تھے۔تاکہ ہریجنوں میں سے احساس کمتری نکال ڈالیں اور اونچی جاتی کے دلوں سے احساس برتری کا خاتمہ کر دیں اور مساوات کی نمود قائم ہو جائے۔آج پنڈت جواہر لال نہرو وزیر اعظم ہند نعرہ لگا رہے ہیں کہ یا دنیا کو عالمی حکومت قائم کر لینی چاہئے ورنہ خودکشی پر آمادہ رہنا چاہیئے اور اس کے لئے ضروری ہے کہ دنیا نسلی امتیازات اور شہنشاہیت اور سرمایہ داری کو ختم کرے

کیونکہ اول میں نسبی اونچ نیچ ہے۔ ثانی میں سیاسی اونچ نیچ ہے اور ثالث میں مالی اونچ نیچ ہے اور اونچ نیچ کبھی بھی اُنس باہمی کو برداشت نہیں کرسکتی۔

ہمیں خوشی ہے کہ آج ہر تعلیم یافتہ اور سمجھدار خواہ وہ کسی قوم کا بھی ہو ہمہ گیری اور عالمگیری کی طرف آرہا ہے اور اس کے لئے ہر نوع کی اونچ نیچ کو ختم کرنے پر آمادہ ہے جو اسلام کی خاص تعلیم ہے اور وہی دنیا میں اس اخوت ومساوات اور یک اصلی اور یک جوہری کو لے کر آیا تھا۔

اس اونچ نیچ کے خاتمہ پر پھر بھی اگر فرقہ واریت اور باہمی کشیدگی نظر آتی ہے تو وہ مذہبی لائنوں سے آرہی ہے اور اسی لئے ہر ملک کی دنیا مذہبی لائن کو سیاسیات سے ختم کرنے پر تلی ہوئی ہے کوئی شبہ نہیں کہ دنیا کا یہ فعل معقول اور لائق تحسین ہے مگر اُن ہی مذاہب کی حد تک جو یقیناً ان کشیدگیوں اور صدانواع (سینکڑوں) فرقہ واریتوں کی تعلیم دیں یا اُس کی ذمہ دار ہوں۔

لیکن جو مذہب بنیادی اور اصولی طور پر فرقہ واریت ختم کرنے اور رنگ روپ، نسب ونسل، دولت ومال اور سمی منصب ووقار کے تفرقے مٹانے کے لئے آیا ہی ہو اور اس نے دنیا کے سامنے اصول ہی وہ رکھے ہوں جن کے ہوتے ہوئے فرقہ واریت کے جراثیم پل نہ سکیں تو اُس کا کیا قصور ہے کہ اُسے بھی ملک وملت اور اُن کے معاملات سے خارج کیا جائے؟ اور اگر آپ اُسے خارج کرتے بھی ہیں تو وہ خارج ہوتا کب ہے۔ آپ فرقہ واریت مٹانے کے لئے جو اصول بھی اختیار کریں گے وہ اُسی کا تو اصول ہوگا اس لئے آپ اُس کا انکار کرکے بھی اُس کا اقرار کریں گے اور اسے رد کرکے بھی اسے قبول ہی کریں گے اگر آپ اونچ نیچ مٹائیں گے تو آپ نے عقیدۃً یا عملاً اس کی مخالفت کب کی اور اگر آپ اخوت ومساوات کا اصول لا رہے ہیں تو آپ دل وجان سے اسلام کی مخالفت کب کر رہے ہیں۔ سوائے اس کے کہ زبان سے مخالفت کر رہے جو دل

سے الگ ہوکر بول رہی ہے تو اس کا اعتبار کیا ہے کہ وہ لائق توجہ ہو۔قول محض جس کے ساتھ نہ عقیدہ ہو نہ عمل ہو کیا وقعت رکھتا ہے کہ اسے مانا جائے۔پس آپ اسلام کا نام لینے سے تو ڈرتے ہیں لیکن اس کا کام کرنے سے اور اس کو ماننے سے نہیں ڈرتے۔پھر ایسی چیز سے بھاگنے اور ڈرنے سے کیا حاصل ہے۔جو آپ کا پیچھا نہ چھوڑے۔اور آپ کہیں بھی بھاگ کر جائیں وہ آپ کا پیچھا کرے۔اور وہیں جا پکڑے پس کیا اچھا ہو کہ آپ زبان سے بھی اس چیز کے نام سے ڈرنا چھوڑ دیں جو آپ کے دلوں اور روحوں میں گھس چکی ہیں۔

قانونی مساوات: انسانوں میں انسانیت کی یگانگت اور یک جہتی کے بعد اگر تفرقہ پھیل سکتا ہے تو وہ قانونی تفاوت سے کہ ایک قوم کے افراد کو مثلاً ایک عبادت گاہ میں برابری کے ساتھ جمع ہونے کا حق نہ ہو۔قومی قانون کی کتاب کو یکساں سب کو پڑھنے کا حق نہ ہو یکساں سننے کا حق نہ ہو۔عبادت گاہیں مخصوص خاندانوں کا حق قرار دے دی جائیں تعلیم گاہیں مخصوص خاندانوں کی ملکیت ہوں۔علم مخصوص قبائل کا ورثہ ہو جس سے ہر ایک کو مساویانہ انداز سے استفادہ کا حق نہ ہو۔دسترخوان اور اس کے ظروف عوام وخواص کو یکجا نہ کر سکیں۔کچھ آئینی طور پر شدھ ہوں اور کچھ قانوناً ملیچھ ہوں تو یقیناً ایسی قوم تفرقہ کا غلام ہوئے بغیر نہیں رہ سکتی۔زمانہ جاہلیت میں مشرکین عرب میں جہاں نسلی اور نسبی امتیازات تھے وہیں عباداتی امتیازات بھی تھے۔حج کے موقع پر عام لوگ تو عرفات میں وقوف اور قیام کرتے تھے لیکن اشراف عرب کا رتبہ اس سے بالاتر تھا وہ صرف منیٰ تک پہنچ کر رک جاتے تھے۔اور ان کی امتیازی شان عوام الناس کی برابری یا ان کے دوش بدوش عبادت گزاری برداشت نہیں کر سکتی تھی۔گویا قانون مذہب ہی نے ان کو یہ امتیازی حق دے کر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے عبادت کے دائرہ میں انہیں اونچ اور دوسروں کو نیچ بنا دیا تھا۔یا جیسے نصاریٰ کے یہاں پاپائیت کے اقتدار کے دور میں حدود وقصاص اور تعزیرات چھوٹے لوگوں پر جاری کی

جاتی تھیں لیکن بڑے لوگ قانون کی گرفت سے مستثنیٰ تھے۔ گویا وہ قانون کی رو سے اونچ تھے اور دوسرے نیچ، کسی قوم میں ایک طبقہ روپیہ کمانے کے لئے مخصوص تھا اور ایک طبقہ اس سے محروم ہو کر ذلیل خدمات کے لیے وقف تھا گویا ایک خلقتاً (پیدائشی طور پر) سرمایہ دار ہی بننے کے لئے پیدا کیا گیا ہے اور ایک ہمیشہ نادار رہنے کے لئے۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ ان اقوام میں باہمی تفرقے ہی نہ تھے باہم شدید نفرت تھی۔ ظلم و تحقیر کے دروازے کھلے ہوئے تھے۔ اور حرب و ضرب باہمی کے جراثیم رگ و پے میں سرایت کیے ہوئے تھے۔ جس سے ایک طبقہ دوسرے طبقہ سے کسی وقت بھی مامون اور مطمئن نہ رہ سکتا تھا۔ ایک طبقہ کی زندگی اجیرن تھی گویا وہ پیدا ہی اس پستی و دنائت (کہتری) کے لئے کیا گیا ہے۔ اور ایک طبقہ مگن اور مطمئن تھا گویا وہ مخلوق (پیدا) ہی طمانیت و بشاشت کے لیے ہوا ہے۔

اسلام نے اس فرقہ واریت کو بھی نیست و نابود کرنے کا پیغام دنیا کو دیا۔ جو قانونی اونچ نیچ سے پیدا ہوتی تھی مثلاً اس نے کہا کہ علم کسی ایک خاندان کی میراث نہیں بلکہ بلاتفریق خاندان و نسل ضروریات دین کی حد تک علم کا طلب کرنا ہر مسلم و مسلمہ مرد و عورت پر فرض ہے اور زائد از ضرورت عام فرض کفایہ۔ عبادت گاہوں میں محمود و ایاز برابر ہیں۔

صفوف عبادت میں صدیق اکبرؓ اور ایک حبشی غلام یکساں ہیں حدود و قصاص اور تعزیرات میں ایک عامی آدمی اور سید المرسلؐ کی بیٹی برابر ہیں۔ اگر خدانخواستہ پیغمبر کی بیٹی بھی فعل سرقہ (چوری) کی مرتکب ہو تو اس کے ہاتھ بھی عوام کی طرح کاٹے جانے ضروری ہیں۔ حج میں دو کپڑے کا احرام شاہ و گدا کے لئے برابر ہے۔ خواہ ایک عامی ہو یا سلطان ابن سعود ہو دونوں کیلئے عرفات جانا بھی ناگزیر ہے اور ایک ہی نوع کے احرام میں ملبوس ہو کر وہاں ٹھہرنا بھی لازمی ہے۔ مال غنیمت سے اگر ایک چادر کسی عامی کا حق ہے تو اتنا ہی امیر المؤمنین کا بھی حق ہے ورنہ شبہ پر بھی

ایک بدوی (دیہاتی) فاروق اعظمؓ پر اعتراض کرسکتا ہے۔ اور امیر المؤمنین کو جوابدہی لازم ہے۔ قانون اسلام کی نگاہ میں سب کے حقوق برابر ہیں۔ بہرحال فرقہ واریت اور قومی تفریق کی ایک بنیاد نسبی اور نسلی امتیازات تھے تو انہیں بھی اسلام نے ختم کردیا اور ایک دوسری جڑ قانونی امتیازات تھے۔ انکی بھی بیخ کنی کردی۔ آیت عنوان کے پہلے جملے انا خلقنا کم من ذکر و انثی سے تو نسبی اونچ نیچ کو مٹادیا جس کے معنی اخوت کے ہیں کہ سب انسان برابر ہیں اور بھائی بھائی ہیں اور دوسرے جملے میں ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم (تم میں معزز وہ ہے جو خدا کے نزدیک پارسا ہو) سے قانونی امتیازات کو ختم کردیا جس کے معنی مساوات کے ہیں یعنی جو اس قانون تقویٰ و دین پر زیادہ چلے گا وہی عنداللہ بڑا ہوگا جو اس سے ہٹا رہے گا وہی ذلیل رہے گا، جس کا حاصل سب پر قانون کی یکساں پابندی اور سب پر قانون کا یکساں حکمران ہونا نکلتا ہے، پس نسلی تفوق اخوت سے ختم ہوجاتا ہے اور قانونی تفوق مساوات سے جاتا رہتا ہے اور اخوت و مساوات انسانی اسلام ہی کا خاص اصول ہے جو اس نے اونچ نیچ میں پھنسی ہوئی اقوام کے سامنے لاکر رکھا ہے۔

تعظیمی فرقہ واریت: فرقہ واریت کی ایک تیسری خطرناک نوع اعتقادی اور تعظیمی اونچ نیچ ہے جس کی رو سے اپنے کسی مقتدا یا بزرگ ترین شخصیت کی اس انداز سے تعریف و توصیف کی جائے کہ دوسروں کے مقتداؤں کی تنقیص یا توہین لازم آجائے یا مقابلے ڈال کر ایک مقتدا کو بڑھایا جائے جس سے دوسرے کا گھٹانا مفہوم ہونے لگے، یقیناً یہ طرز عمل باہمی منافرت اور مابینی عداوت و کشیدگی کا ایک مؤثر ذریعہ ہے اور آپس کی دشمنیوں کا بیج بوتا ہے جیسا کہ اس کے بالمقابل دوسری اقوام کے مقتداؤں کو بڑا ماننا اور اُن کی بزرگی کو تسلیم کرنا خواہ تشخیص (تعیین) کے ساتھ ہو یا کلیت اور عمومیت کے ساتھ ہو بلاشبہ اقوامی موانست (بین الاقوامی ہم آہنگی) اور قطع نفرت کا مؤثر ترین ذریعہ ہے۔ اسلام نے اس اعتقادی فرقہ واریت کو مٹا کر رسولوں، نبیوں اور پیغمبروں کے

بارہ میں اعتقادی مساوات کا اصول بتلایا اور اعلان کیا کہ

''ہم اُس کے پیغمبروں میں سے کسی میں تفریق نہیں کرتے (سورۃ البقرۃ آیت نمبر ۲۸۵) ایمانی مساوات کا اصول دنیا کے سامنے لا کر رکھا''۔

ارشاد ربانی ہے! کہہ دو کہ ہم ایمان رکھتے ہیں اللہ پر اور اس پر جو ہمارے پاس بھیجا گیا اور اس پر بھی جو حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل اور حضرت اسحٰق اور حضرت یعقوب اور اولادِ یعقوب کی طرف بھیجا گیا اور اُس پر بھی جو حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ کو دیا گیا اور اُس پر بھی جو کچھ اور انبیاءؑ کو دیا گیا ان کے پروردگار کی طرف سے اس کیفیت سے کہ ہم اُن میں سے کسی ایک میں بھی تفریق نہیں کرتے اور ہم تو اللہ تعالیٰ کے مطیع ہیں۔ (سورۃ البقرہ آیت نمبر ۱۳۶)

رسولوں کے بارہ میں فرمایا کہ بعض کا نام لے کر ہم نے تذکرہ کیا ہے اور بعض کا نام بنام تذکرہ نہیں کیا یعنی وہ عموم انبیاء کے ذیل میں آجاتے ہیں اس لئے نامبردہ اور غیر نامبردہ (جن کا نام ذکر کیا گیا اور جن کا ذکر نہیں کیا گیا) سارے انبیاء ہمارے اعتقاد کے دائرہ میں داخل ہیں جن کی توہین تو بجائے خود ہے ادنیٰ تنقیص تک ہم برداشت نہیں کر سکتے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے بارہ میں ارشاد فرمایا!

''میری تعریف میں مبالغے مت کرو جیسے نصاریٰ نے حضرت مسیح کی تعریف میں مبالغے کئے (کہ انہیں خدا اور خدا کا بیٹا تک کہہ ڈالا)''

حضورؐ نے اپنے بارے میں یہ بھی ارشاد فرمایا کہ!

''مت کہو میں یونس بن متیٰ سے بہتر ہوں''۔

یعنی مقابلہ ڈال کر دوسرے انبیاء کے مقابلے میں میری تعریفیں کرتے مت پھرو۔ کہ اس کا قدرتی نتیجہ دوسروں کی تنقیص اور توہین ہے۔

پھر جن مقتداؤں کو دنیا کی قوموں نے اپنی جہالت سے معبود ٹھہرالیا اور خدا کے سوا انہیں پکارنے لگے اُن کی پوجا کو جائز رکھا ہے تم ان کو بھی برا نہ کہو کہ وہ جواب اور مقابلہ میں تمہارے بزرگوں اور مقتداؤں کو جاہلانہ طور پر برا نہ کہیں کہ اس صورت میں تم ہی گویا خود اپنے مقتداؤں کو برا بھلا کہلوانے والے ٹھہر جاؤ گے۔ ارشاد خداوندی ہے۔

اور دشنام مت دو اوران کو جن کی یہ لوگ خدا کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہیں کیونکہ پھر وہ براہ جہل حد سے گذر کر اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی کریں گے۔ (سورۃ الانعام آیت نمبر ۱۰۸)

حضرت مولانا محمد قاسم رحمۃ اللہ بانی دارلعلوم دیوبند نے اپنے بعض نوشتوں میں فرمایا ہے کہ ہندو قوم کے بڑوں مثل رامچند راور سری کرشن وغیرہ کو نام لے کر کبھی برا نہ کہو اور کوئی توہین آمیز کلمہ ان کی شان میں زبان سے مت نکالو کہ ممکن ہے کہ اپنے وقت میں یہی وہ واردان حق ہوں جو بطور ہادی اور نذیر بھیجے گئے ہوں اور شرائع حقہ لے کر ہندوستان کی اصلاح کے لئے آئے ہوں لیکن مرور ایام (زمانہ گزرنا) سے بعد کے لوگوں نے ان کی شریعتیں مسخ کردی ہوں جیسا کہ اہل تورات اور اہل انجیل نے اپنی ان کتابوں کا حشر کیا۔ ظاہر ہے کہ اگر عنداللہ یہ سچے ہادی ونذیر تھے تو یا تو **منهم من لم نقصص عليك** (اور بعض وہ پیغمبر بھی ہیں جن کا تذکرہ ہم نے تم سے اے پیغمبر نہیں کیا) میں داخل ہو کر واجب التسلیم ہیں اور یا ممکن ہے کہ ان میں سے بعض **فمنهم من قصصنا عليك** (اور اُن میں سے وہ پیغمبر بھی ہیں جن کا ہم نے تم سے تذکرہ کیا ہے) میں داخل ہوں۔ (بحوالہ سورۃ المومن آیت نمبر ۷۸) اوران کے انہی ناموں سے سے انہیں قرآن وحدیث میں یاد کیا گیا ہو کہیں نقطہ کے فرق سے ناموں کے تلفظ میں فرق ہو اور ہم عربی نام سے بآسانی ان عجمی ناموں کو نہ سمجھ سکتے ہیں جیسے ''یوسف'' کو جو عربی میں مستعمل ہے انگریزی تلفظ میں ''جوزف'' بولتے ہیں۔ یا ''یعقوب'' کو جو عربی میں بولا جاتا ہے انگریزی میں ''جیکب'' کہا جاتا

ہے۔ یا جیسے ہمارے محترم بزرگ حضرت مولانا مناظر احسن صاحب دام مجدہٗ نے اپنی کتاب النبی الخاتم میں تحریر فرمایا کہ آج ہندوستان میں حضریات (شہریات) اور آثار قدیمہ کے سلسلہ میں کھدائی کرتے ہوئے جو ہزار ہا برس کا دبا دبایا شہر کپل کا نکلا ہے تو ممکن ہے کہ یہ کپل وہی پیغمبر ہوں جن کو قرآن نے ذالکفل کہا ہے کیونکہ کفل اور کپل میں کوئی خاص فرق نہیں۔ یا جیسے حضور کا اسم مبارک احمد اپنے ترجمہ کے لحاظ سے انجیل کی عبرانی زبان میں فارقلیط ہے یا جیسے ہندو شاستروں میں جس عظیم الشان اوتار کے آنے کی پیشگوئی کی گئی ہے اس کا نام مھامت لکھا ہے جو تلفظ اور ترجمہ کے لحاظ سے محمد سے اقرب ترین ہے اور انکی والدہ کا نام سوامتی لکھا ہے جس کا ترجمہ ہے امن والی یعنی آمنہ اور باپ کا نام ایشور داس لکھا ہے جس کا ترجمہ بندہ خدا یعنی عبداللہ یا جیسے عیسیٰ عربی کا لفظ ہے۔ اور انجیل میں اس کو ایشوع بولا گیا ہے اسی طرح ہوسکتا ہے کہ ہندوستان کے یہ مقتدا اور بزرگ اس وقت کی ہندی زبان میں ان معروف ناموں سے موسوم ہوں اور قرآن وحدیث میں ان اسماء کو عربیت کے ساتھ تلفظ کیا گیا ہو جیسے کپل کا ذالکفل تو اس صورت میں تو نام لے کر کوئی ادنی توہین یا گستاخی لا نفرق بین احد من رسلہ (ہم اسکے رسولوں میں سے کسی کے مابین تفریق نہیں کرتے) کی صریح خلاف ورزی ہو جائیگی۔ اعاذ نا اللہ منہ۔

بہر حال اس سے ایک مستقل اصول قرآن حکیم نے ارشاد فرمایا کہ دوسری اقوام کے بزرگوں اور مقتداؤں کی توقیر کرو اور تعیین وتشخیص کے بعد تو نام بنام ان پر ایمان لاؤ اور اپنے اپنے وقت میں انہیں ہادی برحق جانو اور سند نہ ہونے کی وجہ سے تعیین نہ ہو سکے تو بالاجمال عمومیت کے ساتھ انہیں مانو اور کوئی بھی کسی قسم کی سند نہ ہو تو پھر یہی مشخص کر کے کسی کے نام کے ساتھ کوئی نامناسب کلمہ استعمال مت کرو بلکہ کہہ دو۔ لا نصدقھم ولا نکذبھم (نہ ہم ان کی تصدیق کرتے ہیں اور نہ تکذیب) بلکہ معاملہ خدا کے حوالہ کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اقوام عالم کو اپنے سے

قریب تر کرنے کے لئے اس سے بڑھ کر اور کیا منصفانہ اور خیر خواہانہ اصول ہوسکتا ہے کہ جس سے ایک قوم دوسری قوم کی ثنا خوان اور مخلص بنائی جاسکتی ہے۔ پس اس اصول سے مدحیاتی فرقہ واریت کو بھی اسلام نے بیخ و بن سے اکھاڑ کر پھینک دیا۔ اور مدحیاتی مساوات کا اصول مستحکم بنیادوں پر قائم کر دیا۔

وطنی فرقہ واریت: تفریق اقوام کا ایک طبعی اصول وطنی فرقہ واریت ہے۔ حد بندیوں سے تو صرف زمین کے ہی ٹکڑے ہوتے ہیں جو چنداں مذموم نہیں لیکن ان ٹکڑوں پر اس انداز سے فخر کرنا کہ دوسرے قطعات زمین نا قابل فخر یا نا قابل ذکر یا قابل عدم ذکر ٹھہر جائیں اور ایک حصہ زمین دوسرے حصہ زمین کی توہین اور برائی کا ذریعہ بن جائے۔ اس سے دلوں کے ٹکڑے ہونے لگتے ہیں اور وطنی تعصّبات قائم ہو کر قومی تعصّبات کا راستہ ہموار کر دیتے ہیں۔ اسی سے وطنی فرقہ واریت کا ظہور ہوتا ہے جو اقوام کو باہم برسر پیکار کر دیتا ہے۔ پس زمین کی تقسیم تو بری نہیں مگر اس سے دلوں کی تقسیم حد درجہ بری چیز ہے۔ کہ اس سے دل بگڑتے ہی اقوام میں بگاڑ پیدا ہو جاتا ہے۔ کسی کے وطن کو اگر گالی دیدی جائے تو وہ جواب میں وطن ہی کو نہیں بلکہ اس وطن کے باشندوں تک کو گالی سے یاد کریگا اور اسی دم ایک زبردست نزاع کی داغ بیل پڑ جائیگی۔ اور اس کے برعکس اگر کسی کے وطن کی تقدیس کر دی جائے اسے سراہا جائے تو باشندگان وطن کا دل مٹھی میں آجائیگا۔ پھر اگر یہ تعریف و توصیف مذہبی اور شرعی طور پر ہو تو اہل وطن اس شریعت کے گرویدہ ہو جاویں گے۔

اسلام کا یہ ایک مستقل اصول ہے کہ جس وطن میں جو مذہبی اور شرعی خصوصیت یا منقبت (فضیلت) ہو اسے برملا کہا جائے نہ اس لئے کہ باشندگان وطن پر اچھا اثر پڑے کہ یہ اثر تو بطور خاصیت کے خود ہی ظاہر ہوگا۔ اس کا ارادہ و نیت کرنا فعل عبث ہے بلکہ اس لئے کہ ایک اچھا وطن مستحق ہی اس کا ہے کہ اسے اچھا کہا جائے۔ اور جو اس کی واقعی خوبی ہے خواہ تمدنی ہو یا شرعی اُسے

انصافاً ظاہر کیا جائے۔

یہی وجہ ہے کہ شریعت اسلام نے جس انداز سے حجاز کی تقدیس کی ہے اسی انداز سے دوسرے ممالک کی بھی وہ تقدیس ظاہر کی ہے جو حقیقتاً ان میں من جانب اللہ ودیعت کی گئی ہے۔ اسلام میں فضائل کا ایک عظیم الشان باب ہے جو وطنوں، مکانوں اور مواضع ہی کیلئے خاص طور سے رکھا گیا ہے۔ حجاز اور مکہ و مدینہ کی تقدیس کی طرح اس نے شام کی، دمشق کی، غرناطہ کی، پھر یمن کی، حبش کی خراساں کی، عراق کی، مصر کی، مخصوص پہاڑوں کی مواضع کی تقدیس کی۔ اور احادیث ان فضائل سے بھری ہوئی ہیں۔ اسی طرح ہندوستان کے فضائل سے بھی ذخیرۂ احادیث بھرا ہوا ہے۔

اللہ کا پہلا دارالخلافہ جس میں اولین خلیفہ خداوندی آدم علیہ السلام نازل ہوئے ہندوستان ہے۔ کیونکہ آدم جنت سے سراندیپ کے جزیرہ میں دحنیٰ کی وادی میں اترے ہیں جو ہند میں ہے۔ چنانچہ ابن جریر ابن حاتم اور حاکم نے ابن عباسؓ سے روایت نقل کی ہے اور اسے صحیح کہا ہے کہ

''سب سے پہلے اللہ نے آدم کو زمین ہند میں اتارا اور ایک لفظ میں ہے دحنیٰ میں اُتارا جو سرزمین ہند میں ہے''۔ (سبحۃ المرجان)

ابن عباسؓ ہی کی دوسری روایت میں سراندیپ کا لفظ بھی موجود ہے۔

اس وادی کی فضیلت میں حضرت علیؓ فرماتے ہیں

''بہترین وادی لوگوں کی وادی مکہ ہے (جس میں بیت اللہ ہے) اور وہ وادی جس میں آدم سرزمین ہند میں اترے''۔

آدم نے اول ہندوستان ہی کو اپنا وطن بنایا گویا دنیا کی پہلی آبادی ہندوستان ہی سے

شروع ہوئی۔ آدم اول النبیین ہیں۔ اس لئے پہلا دارالنبوۃ خدا کا ہندوستان ٹھہرتا ہے جیسا کہ آخری دارالنبوۃ حجاز ہے۔ اول بآخر نسبتے دارد۔

جنت سے دو ہی انسان زمین پر اترے ہیں آدم ہندوستان میں اور حوا (زوجہ آدم علیہ السلام) سرزمین حجاز میں۔ خدا کا پہلا قانون ہندوستان ہی میں آیا اور یہیں سے دین شروع ہوا جس کی تکمیل بالآخر حجاز نے کی۔ جبرائیل امین اور روح القدس کا پہلا ورود ہند میں ہوا جو وحی لے کر اترے۔ پہلی اذان ہندوستان میں ہوئی جس میں توحید کا اعلان ہوا۔ جیسا کہ روایات میں موجود ہے۔ اول النبیین کو آخر النبیین کی بشارت ہند ہی میں دی گئی۔ یعنی سرزمین ہند پہلا دارالتبشیر ہے۔ طبری کی روایت میں ہے کہ آدمؑ حضرت حواؑ کو لے کر حجاز سے لوٹے تو اسی وادی میں آئے جس میں نزول ہوا تھا۔ اور وہیں رہنے کیلئے گھر بنایا یعنی ہندوستان پہلے نبی کا وطن ہے و کفی بہ فخراً (اور فخر کیلئے یہی کافی ہے) آدم کی قبر بھی اس وجہ میں ہے اور بنص حدیث ثابت ہے کہ آدمی کی قبر اس جگہ بنتی ہے جہاں اس کے خمیر کے لئے مٹی لی جاتی ہے اس لئے کہا جاسکتا ہے کہ خاک پاک ہند ہی نے پیغمبری کی بنیاد رکھی۔ آدم علیہ السلام نے چالیس حج کئے اور ایک حج کے لئے بیل پر سوار ہو کر گئے ہیں جیسا کہ حجۃ المرجان نے روایت نقل کی نیز کھیتی باڑی کے لئے پہلا جانور سرخ رنگ کا بیل اور گائے ہی اللہ نے آدم کو عنایت فرمایا ہے۔ گویا بیل کی نسل ہند ہی سے شروع ہوئی ہے۔ شاید اسی لئے ہندوستان میں اس جانور کی عظمت زیادہ کی جاتی ہے۔ کہ یہ اولین حیوانات بھی ہے اور اسے اول النبیین سے ایک خاص نسبت بھی حاصل ہے۔

انبیاءؑ میں فہم ادریس معروف ہے گویا فہم کی تیزی حضرت ادریس علیہ السلام کا ممتاز وصف ہے اس لئے ان پر علوم حکمت خصوصیت سے اتارے گئے۔

پس اگر حجاز اس لئے مقدس ہے کہ خاتم النبیین کا مولد ومنشاء (جائے پیدائش

ونشونما) اور مہبط (جائے نزول) وحی قرآنی ہے اور اگر شام اس لئے مقدس ہے کہ وہ انبیاء بنی اسرائیل کا مولد ومنشاء ہے۔ اور اگر مصر اس لئے مقدس ہے کہ اسے موسیٰ علیہ السلام سے نسبت حاصل ہے۔ اگر عراق اس لئے مقدس ہے کہ اسے ابراہیم علیہ السلام سے نسبت ہے تو بلاشبہ ہندوستان اس لئے مقدس ہے کہ اسے آدم علیہ السلام سے نسبت ہے اور پہلی وحی کا مہبط ہے پہلا دارالنبوت اور دارالخلافۃ ہے اور اسلئے مقدس ہے کہ بنص روایت طبرانی وہ حضرت شیث علیہ السلام کا وطن ہے جو آدم کے جلیل القدر بیٹے اور پیغمبر اور ان کے خلیفہ ہوئے جنہوں نے آدم علیہ السلام کے جنازہ کی نماز پڑھائی ہے اس لئے مقدس ہے بروایت ابن عباسؓ (جسکو سبحۃ المرجان نے نقل کیا ہے) وہ نوح علیہ السلام کا وطن ہے۔ سینکڑوں اہل اللہ کے مکشوفات بھی ہیں جس سے ہندوستان کے مختلف انبیاء کی قبروں اور آثار کا انکشاف ہوا ہے۔ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ (اول صدر مدرس دارالعلوم دیوبند) نے فرمایا کہ گنگا کے دہانہ پر مجھے انوار نبوت محسوس ہوئے کسی نبی کا جسم مدفون ہے یا آثار نبوت ہیں۔ حضرت مولانا رفیع الدین صاحب رحمۃ اللہ مجددی نقشبندی خلیفہ ارشد حضرت شاہ عبدالغنی محدث دہلوی اور اولین مہتمم دارلعلوم دیوبند کا مکاشفہ ہے کہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ بانی دارلعلوم دیوبند کی قبر عین کسی نبی کی قبر میں واقع ہے۔ بہرحال اس طرح ہندوستان کے شرعی فضائل سے اس کی تقدیس ثابت ہوتی ہے۔ اور اگر وہ ہندوؤں کے نزدیک مقدس ہے تو مسلمان بھی اس کی تقدیس کرنے میں ان سے کم نہیں ہیں۔ فرق اتنا ہے کہ وہ بلاسند سنی سنائی قصے کہانیوں پر اس کی تقدیس کرتے ہیں اور مسلمان سند کے ساتھ اور مستند تاریخی حوالوں سے اس کی تقدیس کرتے ہیں پھر جس طرح قرآن حکیم نے بعض مخصوص اور معروف انبیاء علیہم السلام کا ذکر نام بنام کیا جن کی قومیں دنیا کی مستقل امتیں تھیں اور اکثر وبیشتر کو صرف عموم ذکر کے دائرہ میں چھوڑ کر کہ (ان میں سے وہ بھی ہیں جن کا ہم نے قصہ بیان نہیں

کیا)اعلان کردیا کہ(ہم رسولوں میں سے کسی میں بھی فرق نہیں کرتے) ہمارے نزدیک سب مقدس اور واجب التعظیم والتسلیم ہیں۔ ایسے ہی وطنوں کے سلسلہ میں مخصوص ممالک کا جو اپنی خصوصیات کی وجہ سے معروف اور قلوب (دلوں) میں متعارف تھے نام بنام تذکرہ کیا اور ان کے فضائل بیان کرکے انبیاء کی نسبتوں سے ان کی تقدیس کی جیسے مصر شام عراق، یمن حجاز اور ہندوستان وغیرہ ایسے ہی دنیا کے متعدد ممالک کی تقدیس نبوتوں ہی کی نسبت سے عمومات کے ساتھ فرمائی کہ:

''اور کوئی امت ایسی نہیں ہوئی جس میں کوئی ڈرسنانے والا نہ گذرا ہو'' (سورۃ فاطر آیت نمبر۲۴)

اور فرمایا۔''ہر قوم کے لیے ہادی ہوتے چلے آئے ہیں۔ (سورۃ الرعد آیت نمبر۷)

اور فرمایا''اور ہم سزا نہیں دیتے جب تک کسی رسول کو نہیں بھیج لیتے'' (سورۃ الشعراء آیت نمبر۲۰۸)

جس سے واضح ہے کہ کوئی امت اور کوئی قوم خواہ وہ کسی خطہ زمین کی بسنے والی ہو بلا ہادی اور نذیر کے نہیں چھوڑی گئی گویا ہر خطہ زمین اور ہر ٹکڑا وطن میں انبیاء آئے ہیں اور ظاہر ہے کہ انبیاء اور اہل اللہ ہی کی نسبت سے زمین کے ٹکڑوں کی تقدیس ہوتی ہے تو اس عموم سے عامتہ (عمومی طور پر) ہر ملک اور ہر وطن کی تقدیس پیدا ہو جاتی ہے۔ اور ایک ہدایت نکل آتی ہے کہ کسی بھی خطہ زمین کو زمین کی حیثیت سے برا نہ کہا جائے۔ اندریں صورت جبکہ کوئی قوم کسی وطن کو بھی برائی سے یاد نہ کریگی تو بلاشبہ وطنی عصبیت اور وطنی منافرت کا سلسلہ بھی باقی نہ رہے گا۔ جس سے اقوام میں وطنی فرقہ واریت اور کشیدگی قائم ہوتی ہے۔ سوائے اس کے کہ کسی خطہ زمین اور قطعہ وطن کے افراد پر نکتہ چینی کی جائے اور اس سے وہاں کے بسنے والوں کو سرزنش کرنا مقصود ہو تو وہ تقبیح (برائی بیان کرنا) حقیقتاً افعال کی ہے نہ کہ اوطان کی۔ اس کی وجہ کسی مرز و بوم اور حصہ اراضی کی

توہین جائز نہ ہوگی۔ زمین خود بذاتہ کشیدگی یا منافرت کی حامل نہیں لوگوں کے افعال وحرکات اسے منافرتوں کا ظرف بناڈالتے ہیں۔ پس جیسے کسی حصہ زمان کو برا بھلا یا منحوس کہنا جائز نہیں کہ زمانہ خود کبھی فاسد نہیں ہوتا زمانہ میں بسنے والے فاسد ومفسد بن جاتے ہیں ایسے ہی کسی حصہ مکان اور جائے توطن کو منحوس یا مذموم سمجھنا جائز نہیں کہ یہ حصہ خود کبھی فاسد نہیں ہوتا اُس کے باشندے برے اور بھلے ہوتے ہیں۔ بجز اس کے کہ کسی قطعہ کو مالک الملک اپنی خصوصی تجلیات کا مورد بنادے اور خود اس حصہ مکان میں مخصوص برکات کے آثار سما جائیں تو وہ اُسی حد تک قابل مدح ہو جائیگا لیکن جہاں یہ خصوصیت نہ برتی جائے تو وہاں مطلقاً نسبت کی برکت رہے گی جس سے کوئی قطعہ زمین خالی نہیں اور اس لئے کوئی حصہ بھی بذاتہ قابل مذمت اور لائق تشنیع وطعن ثابت نہ ہوگا کہ اس سے وطنی کشیدگی اور منافرت کی جڑ اور بنیاد قائم ہو۔

یہ تو ممکن ہے کہ بوجہ تجلیات الٰہی کوئی حصہ زمین خدا کی طرف سے بہت اعلیٰ اور افضل بنادیا جائے لیکن اس سے دوسرے قطعہائے زمین کا منحوس یا مذموم ہونا لازم نہیں آسکتا کہ اُسے قابل تشنیع سمجھ لیا جائے اور وطنی فرقہ واریت یا کشیدگیوں کا ذریعہ قرار دے دیا جائے جبکہ ہر خطہ زمین کو کسی نہ کسی مخصوص بندۂ خدا کی نسبت کا شرف حاصل ہے پس زمین کے ٹکڑوں میں افضل وفاضل کی نسبت تو قائم رہے گی لیکن فاضل ومنحوس کی وہ نسبت نہ ہوگی جس سے کسی وطن کی توہین کا دروازہ کھلے اور قوموں میں وطنی تعصّبات بھڑک اٹھیں۔

قرآن حکیم نے اس بارہ میں وطنی مساوات کا ایک ایسا عجیب وغریب اصول ارشاد فرمایا کہ جس کے زیر عمل رہتے ہوئے اقوام کلیۃً وطنی تعصّبات سے پاک ہوسکتی ہیں۔ فرمایا۔

''زمین خدا کی ہے جسے چاہے وارث بنادے'' (سورۃ الاعراف آیت نمبر ۱۲۸)

اول جملہ میں پوری زمین کو اپنی طرف نسبت دے کر اور اپنی چیز کہہ کر اس میں شرف

وفضل کی یکسانی بھی قائم فرمادی کہ اس سے وطنی اونچ نیچ کا سوال ہی باقی نہ رہے۔ اور پھر پوری زمین پر صرف اپنی ملکیت ثابت فرمادی جس سے مخلوق کی ملکیت منتفی ہوجاتی ہے اور ظاہر ہے کہ نفی ملکیت کے ساتھ کسی کے لئے نہ فخر کی گنجائش باقی رہتی ہے نہ عصبیت کی کہ اس سے فرقہ وارانہ کشیدگی کے جذبات ابھریں۔

مگر اس کا امکان تھا کہ کسی حصہ زمین کی، ملک (ملکیت) خدا کی طرف سے کسی فرد یا قوم کو منتقل کردی جائے۔ اور اب وہ خدا کے بجائے اس کی ملکیت میں آجائے تو دوسرے جملہ میں اس کی نفی بھی فرمادی کہ اگر کسی کو کوئی حصہ زمین ملے گا تو وہ بطور توریث (وارث قرار دیئے جانے) کے ملے گا نہ بطور تملیک کے جس کا حقیقی مالک وہی رہے گا جو حقیقی وارث ہوگا۔ جس کے بعد کوئی وارث ہی نہ ہو اور سب جانتے ہیں کہ وارث کو محض اس لئے زمین ملتی ہے کہ مورث دنیا میں نہیں رہتا۔ ورنہ اگر وہ موجود ہوتا تو زمین اس کے نام نہ لگتی۔ سو ظاہر ہے کہ جو صورت اس بارہ میں مورث کی ہے کہ وہ چلا گیا اور زمین وارث کی طرف منتقل ہوگئی وہی صورت اس وارث کی بھی ہے کہ یہ بھی چلا جائیگا اور زمین اس کے وارث کی طرف منتقل ہوجائیگی۔

اس صورت حال سے دلوں میں بجائے مالکانہ تعصبات کے جذبات اُبھرنے کے صرف امانت کے دواعی (محرکات) پیدا ہوسکتے ہیں۔ ہر شخص کسی وطن یا حصہ زمین میں رہ کر یہ سمجھے گا کہ جیسے مجھے یہ حصہ زمین محض اس لئے مل گیا ہے کہ میرا مورث دنیا میں باقی نہ رہا اور زمین رہ گئی ایسے ہی میرا بھی انجام یہی ہے کہ میں دنیا میں نہ رہوں گا اور یہ زمین رہ جائے گی جو میرے وارثوں کے ہاتھ لگے گی۔ اور جب میرے بعد بھی اس زمین کو چھوڑ چھوڑ کر سب اسی طرح چل دیں گے جس طرح میرے سے پہلے اسے چھوڑ چھوڑ کر چل دئے تو زمین پر حقیقتاً قبضہ مالکانہ صرف اسی کا رہ جائیگا جو اس زمین کو نہ کبھی چھوڑ کر گیا نہ جائیگا اور وہ مالک الملک ہے کہ جس کا کوئی بعد ہی

نہیں کہ اس کے بعد اس کا بھی کوئی وارث پیدا ہو پس وہی حقیقی وارث ہے اور وہی حقیقی مالک ہے۔ **و کنا نحن الوارثین۔**

ظاہر ہے کہ جب آدمی یہ کو سمجھا دیا جائے کہ وہ نہ زمین یا وطن کا مالک حقیقی ہے نہ مالک عارضی صرف برائے چندے متصرف اور منتفع (چند دنوں کے لئے عمل دخل رکھنے والا اور فائدہ اٹھانے والا) ہے اور وہ بھی بطور تملیک کے نہیں بلکہ بطور توریث کے جو اگلوں سے لیتا ہے اور پچھلوں کو دے دیتا ہے۔ تو اس میں کسی خطہ زمین کی نسبت مالکانہ اور متعصّبانہ جذبات ہی نہ ابھریں گے جو وطنی منافرت اور وطنی فرقہ واریت کی شان پیدا کر کے اقوام کو باہم دست و گریباں بنائے۔

بہر حال اسلام نے وطنی تعصّبات ختم کرنے کے لئے اول تو تمام وطنوں کے فضائل اور تقدیس کا دروازہ کھولا تا کہ وطنی توہین کا پھاٹک بند رہے اور قومیں ایک دوسرے کے قریب ہوں اور ان میں وطنی منافرت اور وطنی اونچ نیچ نہ پیدا ہو جس سے وطنی فرقے بن جائیں اور دست و گریباں ہوں اور پھر ساری زمین اور سارے ہی وطنوں پر خدا کی ملکیت کا اعلان کر کے انسانوں کو اُس میں یکساں منتفع اور یکساں وارث بتایا تا کہ وطنی مساوات کا جذبہ اُبھر کر وطنی فرقہ واریت کا بیخ و بن سے استیصال ہو جائے اور دنیا کی قومیں وطنی محبت کی راہ سے بھی ایک دوسرے کے وطن پر متعصّبانہ یورش (حملہ) نہ کریں اس سے اسلام کی بین الاقوامیت کے ساتھ اس کی بین الاوطانیت بھی کھل کر سامنے آجاتی ہے اور واضح ہو جاتا ہے کہ اسلام ہی ایک ایسا مسلک اور ازم ہے جو ہر نوع کی تعصب آفرینی سے پاک رہ کر دنیا کی اقوام کو بلحاظ وطن بھی ایک پلیٹ فارم پر جمع کر سکتا ہے۔ پس جو لوگ محدود وطنیتوں کے نام پر چند فرقوں کو جمع کر لینے کا منصوبہ باندھ کر ہی یہ سمجھ لیتے ہیں کہ انہوں نے وطنی جمہوریت قائم کر لی ہے۔ وہ درحقیقت دھوکہ میں ہیں حقیقی اور عالمگیر وطنی جمہوریت (جس کا نقشہ ابھی اسلامی روایات سے پیش کیا گیا) اسے بھی فرقہ واریت ہی کہتی ہے۔

جس میں سینکڑوں وطنی تعصّبات پرورش پاتی رہتی ہیں اور وقت پر ابھرتی ہیں تو دنیا کو تہہ وبالا کر ڈالتی ہیں۔اس لئے جب بھی دنیا فرقہ واریت کو صحیح معنی میں ختم کرنا چاہے گی یا جب بھی وہ عالمی جمہوریت کے نقطہ پر آنا چاہے گی جس میں تمام اقوام اور تمام اوطان برابر ہوں تو اسے صرف اسلامی ہی جمہوریت میں پناہ ملے گی۔جس میں نسلی نسبتی اور وطنی فرقہ واریتوں کو بیخ وبن سے اکھاڑ کر حقیقی مساوات کا اصول اور قانونی نقشہ پیش کیا گیا ہے۔

مالی فرقہ واریت: منافرت کی ایک سب سے مؤثر اور مہلک جڑ مالی فرقہ واریت ہے۔یعنی مال کی تقسیم ایسے غلط انداز سے ہو کہ طبقاتی توازن اور موزوں مساوات قائم نہ رہے۔ایک طبقہ بے حد مالدار اور ایک بے حد نادار ہو جائے۔اس سے مالی اونچ نیچ پیدا ہو کر طبقاتی کشمکش شروع ہو جائے۔اس میں دو جانبیں (سمتیں) نکلتی ہیں ایک افراط کی کہ ایک طبقہ سرمایہ دار ہو اور دوسرا نادار اور محض مزدور ہو جس کی عرقریزی (محنت) سے مالدار طبقہ عیش کرتا رہے۔اس میں طبقاتی منافرت ناگزیر ہے جسے مالی فرقہ واریت کہنا چاہئے۔اس کی ایک جانب تفریط ہے کہ اس کشمکش کو مٹانے کے لئے کلی مساوات قائم کر دی جائے اور قانون کی قوت سے اسے نافذ کر دیا جائے یعنی سرمایہ دار سے سارا سرمایہ چھین کر ملک کے خزانہ کو دے دیا جائے اور اس سے سب کو برابر تقسیم کر دیا جائے۔اس سے بھی کشمکش رفع نہیں ہو سکتی۔کیونکہ انسانوں میں کسب مال کی استعدادیں متفاوت ہیں ان کا طبعی تقاضا تھا کہ جیسا ان میں (فطری) تفاوت ہے ویسا ہی ان کے ثمرات ونتائج میں یہی فرق رہے کہ ایک کے پاس اس کی محنت کا ثمرہ زیادہ ہو بوجہ قوتِ استعداد وعمل اور ایک کے پاس (نسبتاً) کم ہو بوجہ قلت استعداد وضعف عمل پھر بھی اگر زبردستی برابری اور معاشی مساوات قائم کر دیجائیگی تو اول تو سرمایہ دار کے دل میں غیظ (غصہ) پیدا ہوگا کہ کمائی میری محنت کی اور اس میں زبردستی حصہ دار وہ ہیں جن میں اکتساب مال کی صلاحیت ہی نہیں۔اور نادار اس حصہ کو انتقامی

جذبات کے تحت شفاء غیظ (غصے کے علاج) کے ساتھ قبول کرے گا کہ بہت عرصہ کے بعد اس سرمایہ دار پر آج قابو پایا ہے اس نے بہت دن عیش کی ہے۔ آج ہم کریں گے اس سے سرمایہ دار میں چڑ اور رقابت مزید برآں ہوگی۔ اور سرمایہ دار کے غیظ اور نادار کے زہر خند کا نتیجہ پھر وہی جذباتی کشمکش کی صورت میں ظاہر ہوگا۔ اسی کے ساتھ دوسری مضرت یہ ہوگی کہ سرمایہ دار کے قوائے اکتساب مضمحل اور سست ہو جاویں گے جب وہ دیکھے گا کہ میں اپنی معنوی قوتوں سے خود منتفع نہیں ہوسکتا۔ محنت میں کروں گا اور نفع دوسرے اٹھائیں گے تو ایسی مصیبت بھرنے کی کیا ضرورت ہے؟ اور یہی قوائے عمل کا اضمحلال ہے جو پورے طبقہ میں سرایت کر کے اسے کمزور بنا دے گا اور اس کا نقصان ملک کو پہنچے گا۔ (یہ گفتگو اس صورت میں ہے جب مالدار طبقہ واقعی محنت کرے اور دوسروں کی محنت پر گلچھرے نہ اڑائے۔ ش۔ م۔ ف۔) ادھر نادار طبقہ کو جب کم سے کم محنت پر اتنا ہی مل جائیگا جتنا کہ پوری محنت پر ملتا تھا تو اس میں تعطل عمل کے جراثیم سرایت کریں گے اور نتیجہ یہ ہوگا کہ پوری قوم تعطل۔ بے عملی۔ باہمی غیظ اور عدم توازن کا شکار ہو کر رہ جائیگی اس لئے یہ فرقہ واریت نہ معاشی اونچ نیچ سے جاسکتی ہے نہ معاشی مساوات سے بلکہ معاشی توازن سے جو کسی حد تک قانون کی قوت پر قائم ہو۔ اور کسی حد تک اخلاق کی طاقت پر یعنی قانون سے توازن قائم کیا جائے۔ اور اخلاق سے مساوات پیدا کیجائے اسلام نے فطری طور پر اس مسئلہ کو حل کر دیا۔ سب سے پہلے تو اس نے بتلایا کہ یہ مال تمہارا ہے ہی نہیں خدا کا ہے۔ جتنا چاہے تمہیں دے۔ اور جتنا چاہے روک لے۔ سو جتنا ملے اس پر شکر کرو اور جتنا نہ ملے اس پر صبر کرو اور خوشدلی سے رضائے الٰہی پر راضی اور مطمئن رہو۔ اس سے قدرتاً مالدار کے دل میں غرور و فخر نہیں آسکتا۔ اور نادار کے دل میں جزع فزع اور شکوہ نہیں آسکتا۔ ارشاد خداوندی ہے!

''تاکہ جو چیز تم سے جاتی رہے تم اس پر رنج نہ کرو اور تاکہ جو چیز تم کو عطا فرمائی ہے اس

پر اترا ؤ نہیں'' (سورۃ الحدید آیت نمبر ۲۳)

پس جب انسانی ملک (ملکیت) کا تصور ہی قائم نہ رہا تو فخر و تعصب اور رقابت و تحقیر کے جذبات تو یہیں سے ختم ہو جاتے ہیں اور اخلاقی کشمکش باقی نہیں رہتی۔ اب آگے تقسیم کا سوال رہ جاتا ہے سو جبکہ وہی فرمودہ خداوندی کے مطابق ہو تو تسلی یہ ہو جاتی ہے کہ اس میں بے انصافی یا جانبداری کا کوئی تو احتمال یا شبہ تک ہی نہیں ہو سکتا۔ جو دینے یا لینے والے کے دل میں شکوک پیدا کرے۔ اس لئے دینے اور لینے والا تقسیم کنندہ اور تقسیم قبول کنندہ دونوں اطمینانِ قلب اور بغیر کسی ادنی بے اعتمادی کے دیں اور لیں گے اور اس سے جذباتی کشمکش کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔

اس کے بعد تقسیم کا پروگرام آتا ہے سو اس میں مالک حقیقی نے کتنی ہی اشیاء میں تو شخصی ملک ہی قائم نہیں کی جس میں کشمکش ہوتی تھی جیسے سمندر اور سمندری ذخیرے آزاد، پہاڑی لکڑی اور ہر نوع کا شکار آزاد، کوہستانی معدنیات آزاد، نمک سازی آزاد، شہر کے متصل افتادہ زمینیں آزاد جن میں مویشی چرائے جائیں وغیرہ آج کی جنگیں سمندروں کے کناروں پر اٹھتی ہیں۔ اور تری و خشکی میں فساد پھیلتا چلا جاتا ہے (معدنیات کی) کانوں پر اٹھتا ہے جس سے جانیں تلف ہوتی ہے سو ان میں شخصی ملکیت ہی باقی نہیں رکھی گئی۔

پھر جہاں تک شخصی ملکیت قائم کی جیسے آزاد تجارت سے اکتساب مال ہو اس کے بارے میں ناداروں پر خرچ کا حکم دیا گیا مگر بایں الفاظ

''خرچ کرلو ان چیزوں سے جو ہم نے تم کو دی ہیں'' (سورۃ المنافقون آیت نمبر ۱۰)

اس لئے خرچ کرنے میں کوئی تنگی یا ضیق نہیں ہو سکتی۔

پھر اس میں طبائع کی رعایت رکھ کر قوانین پیش کئے گئے جس مال کے کسب میں محنت زیادہ ہے اس میں دوسرے کا حق کم کر دیا گیا ہے کہ طبعاً اس کے تقسیم کرنے میں دل پر بوجھ ہوتا

ہے اور جس مال کے حصول میں بندہ پر محنت کم ہے اسی میں غرباء کا حق بڑھا دیا ہے تا کہ دینے میں گھٹن نہ ہو اور خوش دلی سے مال تقسیم کیا جائے۔ سب سے زیادہ محنت تجارت میں ہے کہ تاجر کا دماغ چوبیس گھنٹے تجارت کے جوڑ توڑ میں لگا رہتا ہے۔ اس لئے اس میں سالانہ محصول زکوٰۃ چالیسواں حصہ رکھا گیا یعنی سو پر ڈھائی روپیہ جو کم اور کم سے کم ہے۔ اس سے کم محنت زراعت میں ہے کہ کھیتی پر کسان کو تین چار ماہ کی محنت ہوتی ہے یعنی آبپاشی وغیرہ اور پھر وہ صلہ لے کر گھر آ جاتا ہے اور سال بھر کھاتا ہے۔ اس لئے اس پر محصول بڑھا دیا گیا اور بیسواں حصہ غرباء کا حق رکھ دیا گیا۔ یعنی سو پر پانچ روپیہ اور اگر زمین بارانی ہے اور آب پاشی کی محنت بھی نہ پڑی صرف تخم ریزی اور دو تین ماہ دیکھ بھال پر معاملہ ختم ہو گیا۔ تو شرعی محصول اور زیادہ کر کے عشر (دسواں حصہ) رکھ دیا گیا ہے یعنی سو پر دس۔ اور اگر بلا محنت و مشقت دفینہ ہاتھ لگ گیا تو محصول اور زیادہ بڑھا کر خمس (پانچواں حصہ) کر دیا گیا ہے۔ یعنی سو پر بیس۔ پھر اسی طرح مویشیوں میں زکوٰۃ رکھی گئی اور بواسطہ بیت المال غرباء کا حق قائم کیا گیا۔ مثلاً اونٹوں میں جو دو دو سال کے پورے ہو کر تیسرے سال میں قدم رکھیں اور پانچ کی تعداد میں ہوں تو ان پر ایک بکری لی جائیگی۔ گائیوں کی تعداد تیس تک ہو جائے تو ان میں سال بھر سے زیادہ کا ایک بچہ گاؤ لیا جائیگا۔ بکریاں چالیس ہو جائیں تو ان میں ایک بکری لی جائے گی۔ گھوڑوں میں فی گھوڑا ایک دینار سالانہ یا ان کی قیمت لگا کر ہر دو سو روپیہ پر پانچ روپیہ زکوٰۃ لی جائیگی۔ بہر حال نقد ہو یا سامان تجارت ہو یا مویشی ہوں یا زمین سے حاصل شدہ غلہ ہو ان میں زکوٰۃ یعنی قانونی محصول رکھا گیا۔ پس اگر کسی کے پاس مثلاً ایک لاکھ روپیہ سرمایہ ہے تو سال گذر جانے پر اس کا چالیسواں حصہ یعنی ۲۴۸۰ روپیہ اس سے غرباء کے لئے قانوناً وصول کر لیا جائیگا۔ پھر صدقۃ الفطر واجب کر دیا گیا کہ ہر گھر میں سے فی کس تقریباً پونے دو سیر کی مقدار میں گیہوں یا اس کی قیمت لگائی جائے گویا اگر ایک گھر میں ۱۰ آدمی صاحب نصاب

اور غنی ہیں تو ان میں تقریباً سترہ سیر غلہ یا اس کی قیمت جو فی زمانہ (آج سے پچاس سال قبل) تقریباً تیرہ چودہ روپیہ ہوتی ہے غرباء کے لئے دینی لازمی ہوگی۔ اگر ایک شہر میں ایسے دو سو گھر ہوں تو دو، ڈھائی ہزار روپے کے قریب ان میں سے ایک دن میں غرباء کے لئے بطور حق واجب نکالا جائیگا۔ پھر قربانی بھی اغنیاء (مالداروں) پر واجب کی گئی ہے اور اس میں پھر عزیزوں ناداروں اور غرباء کا حق رکھدیا گیا ہے۔

پھر اخلاقی حقوق اس کے علاوہ میں کہ ارشاد خداوندی ہے!

''جس طرح خدائے تعالیٰ نے تیرے ساتھ احسان کیا ہے تو بھی احسان کیا کر'' (سورۃ القصص آیت نمبر ۷۷)

احسان۔ صلہ رحم۔ حسن سلوک کی اتنی ترغیبیں دی گئی کہ اگر وہ دل میں رچ جائیں۔ اور ایک مسلمان کے دل میں کم وبیش رچی ہوئی ہوتی ہی ہیں تو وہ خود غریب بن جائیگا اور غرباء کو امیر بنادے گا۔ اور اس میں طبعاً سخاوت اور انفاق فی سبیل اللہ کا جذبہ موجزن ہوگا۔ جیسا کہ یہ سخاوت مسلمانوں کی ایک روایتی چیز ہے۔

پھر اوپر سے اخلاقی ہدایات ونصائح اور دنیا وعیش دنیا کی بے ثباتی اور ناپائیداری کی حقیقت سمجھا کر مال کی محبت دلوں سے نکال دی گئی جس کے ہوتے ہوئے سونا چاندی اور کنکر پتھر میں کوئی فرق نہیں رہتا۔ اور آدمی بے دریغ خرچ کرنے میں جری اور جمع کرنے میں محتاط ہو جاتا ہے اور اس سب کے بعد آخر میں قانون وراثت رکھدیا ہے جس سے کسی کا مال وجائیداد وغیرہ ایک گھر میں باقی ہی نہیں رہ سکتا۔ جس سے واضح ہے کہ اسلام نے مالیات کو جمع کے اصول پر نہیں تقسیم کے اصول پر قائم کیا ہے۔ پس جس مسلک میں مالیاتی سلسلہ قائم ہی تقسیم کے اصول پر ہو۔ اور جمع کو اس میں مذموم رکھا گیا ہو۔ اور اوپر سے اس میں اجروثواب کے وعدے اور رضاالٰہی کی

بشارتیں بھی دی گئی ہوں تو وہ مال نہ صرف تقسیم ہی ہوگا بلکہ دل کی انتہائی بشاشت اور امنگ سے غرباء کو دیا جائیگا۔ ظاہر ہے کہ غرباء اسے نہایت ہی منت پذیری اور احسان مندی سے قبول کریں گے۔ جس سے ایک طرف تو تقریباً مالی مساوات قائم ہو جائیگی۔ اور دوسری طرف امیر وغریب میں اخلاقی رابطہ اور محبت ومودۃ کے جذبات پیدا ہوں گے۔ مالدار طبقہ تو تقسیم کر کے یوں خوش ہے کہ میری دنیا بھی درست ہوگئی اور آخرت بھی بن گئی نیز عطاء کی فرحت وبشاشت اس کے دل میں ہوگی۔ احسان (حسن سلوک) کرنے کی مسرت سے دل لبریز ہوگا۔ اور نادار طبقہ لے کر یوں مسرور ہوگا کہ ہم لاوارث اور بے کس نہیں ہیں۔ یہ امراء ہمارے سرپرست ہمارے محسن اور بمرتبہ ماں باپ ہیں جو کسی حالت میں ہمیں فراموش نہیں کرتے زمین سے غلہ آنے پر ہمیں یاد کرتے ہیں تجارت کے منافع اور راس المال میں سالانہ ہمیں یاد کرتے ہیں۔ مویشی آجائیں تب ہمیں یاد کرتے ہیں۔ عیدفطر واضحیٰ آجائے جب ہمیں نہیں بھولتے۔ خزانہ مل جائے تب ہمیں فراموش نہیں کرتے۔ اور یوں عموماً احسان وسلوک میں کسی وقت ہمیں نہیں بھولتے تو ان سے زیادہ ہمارا خبرگراں اور کون ہوسکتا ہے (اس لئے اس اسلامی اصول پر امیر وغریب ایک دوسرے کے محسن ،خادم، شفیق ومطیع ہوں گے ش۔م۔ف۔) اور اس طرح قوم کے ان دو بنیادی طبقوں میں مالی۔ اخلاقی۔ قانونی معاشرتی اور معاشی توازن قائم ہو جائیگا جس میں اول تو نتیجتاً معاشی مساوات ہو جائیگی اور تفاوت رہے گا بھی تو وہ ایسا ہوگا کہ غریب ہزار جان سے یہ چاہے گا کہ اس مالدار کے مال میں اور برکت واضافہ ہو کہ ہمارا حصہ اور بڑھ جائے گویا مزدور اور غریب چاہے ہی گا نہیں کہ وہ اور مالدار برابر ہو جائیں پس یا مساوات پیدا ہو جاتی ہے یا متفاوت توازن پیدا ہو جاتا ہے جس میں اخلاقیت کا پاکیزہ رنگ آکر طبقاتی ربط قائم ہو جاتا ہے اور طبقاتی کشمکش ختم ہو جاتی ہے۔ چنانچہ اس کشمکش کے دور سے قبل وہ اسلامی دور جس میں مسلمانوں نے اپنے ان فطری اصول کو

مضبوطی سے تھامے رکھا اور اس کا شاہد عدل ہے کہ یہ کشمکش تخیلات میں بھی موجود نہ تھی۔ اور سرمایہ دار اور مزدور کا سوال ہی درپیش نہ تھا۔ ہر ایک سرمایہ دار تھا اور ہر ایک مزدور بھی تھا۔ ان اصول کے تحت سرمایہ داری کا وجود ہی قائم نہ ہوتا تھا کہ مزدور کا سوال اٹھے۔ اور اگر وجود ہوتا تھا تو مزدور سے زیادہ اس سرمایہ داری (تونگری) سے کوئی خوش نہ تھا کہ وہ مزدور اور نادار ہی کی تربیت کے لئے سمجھی جاتی تھی کیونکہ اسلام نے مالیات کے سلسلہ میں دونوں جانبوں کو ایک ایسی معتدل اور موزوں سطح پر قائم کر دیا تھا کہ معاملہ کے دونوں فریق اپنے اپنے دائرہ میں خوش اور مطمئن تھے جس سے مالیات میں طبقاتی کشمکش فرقہ واریت اور فرقوں کی اونچ نیچ کی بنیادیں ہی منہدم ہوگئی تھیں۔ اس لئے دنیا جب بھی اقتصادیات کے صحیح حل پر آئے گی تو وہ بلاشبہ اسلام ہی کا اقتصادی نظام ہوگا اور ایسا ہونا ناگزیر ہے۔

سیاسی فرقہ واریت: فرقہ واریتوں میں سب سے زیادہ تباہ کن اور مہلک فرقہ واریت سیاسی فرقہ واریت ہے۔ جس میں اقتدار کے لحاظ سے پارٹیاں اور فرقے بنتے ہیں۔ اور وہ اپنی کرسی اور اقتدار کے لئے سادہ لوح عوام کو شکار کر کے اپنے حریفوں سے ٹکر لیتے ہیں۔ بظاہر یہ ٹکر نہایت پرامن باآئین اور معصوم ہوتی ہے لیکن اس کی تہہ میں سب سے زیادہ بدامنی بے اطمینانی اور تباہ کن کشمکش پنہاں (پوشیدہ) ہوتی ہے۔ اور دنیا میں جنگ کے نام پر اتنی تباہی نہیں آتی جتنی اس امن کے نام سے آتی ہے۔ ہوس اقتدار میں پارٹیاں بنتی اور بگڑتی ہیں اور وہی لوگ جو دین کے نام پر جماعت بننے سے گھبراتے ہیں اس دنیا کے نام پر وہ ساری تباہیاں لاتے ہیں جو دین کے نام پر عشر عشیر بھی نہیں آسکتیں۔ ہر پارٹی عوام کے جذبات ورجحانات دھوکہ اور فریب سے اپنی طرف کھینچتی ہے اور انجام کار عوام کو دو گروہ بنا کر ان کے جذباتی ٹکراؤ کا تماشا دیکھتی ہے اور ان کا خون دیکھ کر اپنی کامیابی پر مسرور اور شاداں ہوتی ہے۔ دین فطرت نے اس فرقہ واریت کی بنیاد

ہی کو منہدم کر دیا ہے۔ اس نے سرے سے انسانی حکمرانی ہی کا خاتمہ کر دیا ہے حکومت اللہ کی قائم کی ہے اور انسان کو حاکم یا فرمانروا ہونے کے بجائے نائب اور فرمان پذیر بنایا ہے تا کہ سب انسان مل کر یہ نعرہ لگائیں کہ ''ہمارا تمہارا خدا بادشاہ'' یہ اصول پارٹیوں، ملکوں اور اقلیموں کی کشاکش کو ٹھنڈا کر دیتا ہے کیونکہ کشمکش کا آغاز ہی اس نعرہ سے ہوتا ہے کہ ''ہم آقا اور تم غلام'' ہم بادشاہ اور تم رعایا'' لیکن جب ہر قوم دوسری قوم سے کہے کہ نہ ہم آقا نہ تم بلکہ ہم سب کا آقا۔ اور بادشاہ خدا ہے اور ہم تم سب پر حکمراں خدا کا مستند اور فطری قانون ہے تو یہ نعرہ نہ صرف انسانوں کی کشمکش ہی ختم کر ڈالتا ہے بلکہ ان کے جذبات اقتدار کو بھی ٹھنڈا کر دیتا ہے اور ان میں بندگی اور عبودیت کی شان آ کر باہمی توافق (ہم آہنگی) اور انس قائم ہو جاتا ہے۔

اسلام نے یہی نعرہ لگایا ہے کہ

''حکم صرف خدا کا ہے تمہارا کام صرف اس کا حکم ماننا ہے سیدھا دین یہی ہے لیکن اکثر انسان جاہل ہیں'' (سورۃ یوسف آیت نمبر ۴۰) جو نہ سمجھتے ہیں اور نہ سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

حالانکہ بات بالکل سیدھی سی ہے اور مختصر ہے کہ ملوکیت نام فساد کا ہے۔ اور خلافت نام صلاح کا ہے مگر تعجب ہے کہ دنیا اس پر تو آ چکی ہے کہ بدامنی کی جڑ ملوکیت اور شہنشاہی ہے لیکن اس کے معنی صرف شخصی حکومت کے لے کر پارٹی حکمرانی پر آ گئے حالانکہ ملوکیت اور شہنشاہی کے معنی شخصی بادشاہت کے نہ تھے بلکہ انسانی بادشاہت کے تھے۔ انسان خواہ ایک ہو یا ایک ہزار جب برسر حکمران آئے گا تو اسی کا نام شہنشاہی ہوگا اور اس سے وہی فتنے اور وہی مفسدے طبعی طور پر نمایاں ہوں گے جو انسانی شہنشاہی کے لوازم ہیں یعنی استبداد اور استعباد (ذاتی جبر و تشدد اور غلام سازی) عدوان اور طغیان (زیادتی اور سرکشی) تفریق و تخریب (پارٹی بازی اور سر پھٹول) تکاثر اور تفاخر (سرمایہ داری اور شیخی) جوع الارض و سفا کی (ہوس اراضی اور خونریزی) وغیرہ

اسلام نے ان تمام کشمکشوں کا قرار واقعی استیصال کر کے خالص فطری نظام کیطرف طبائع کو توجہ دلائی ہے۔ جس میں یکسانی ہو، مساوات ہو، مراعات ہو، مروت ہو، خیر ہو اور خیر خواہی ہو۔ اس نے طبعی جذبات کو مٹایا بھی نہیں۔ اور آزاد بھی نہیں چھوڑا۔ اُن میں قیدیں ایسی اضافہ کر دیں کہ وہی جذبات صحیح راستہ پر بھی پڑ جائیں اور ان کی پنہانی مضرتوں سے بھی نجات مل جائے۔ اور ان قیود سے اس نے ہر اجتماعی شعبہ حیات میں توازن اور فطری مساوات قائم کر کے اونچ نیچ اور فرقہ وارانہ نزاعات کا خاتمہ کر دیا ہے۔

نسب کے سلسلہ میں عند اللہ اتقاکم کی قید سے نسلی اونچ نیچ اور نسبی فرقہ واریت مٹا دی جس سے انسانی مساوات قائم ہوئی۔

نسبتوں میں ایمان بالرسل (بلاتفریق) کی قید سے نسبتی اونچ نیچ اور مذہبی فرقہ واریت مٹا دی جس سے ایمانی مساوات پیدا ہوئی۔

تفضیلیت کے سلسلہ میں مدح مقابلہ ممنوع ٹھہرا کر تفضیلی اونچ نیچ مٹا دی جس سے مدحیاتی اور اعتقادی مساوات قائم ہوئی۔

وطنیت کے سلسلہ میں ان الارض للہ کی قید لگا کر وطنی اونچ نیچ اور جغرافیائی فرقہ واریت مٹا دی جس سے وطنی مساوات قائم ہوئی۔

دولت کے سلسلہ میں ملک الٰہی اور انفاق فی سبیل اللہ کی قید سے مالی فرقہ واریت مٹا دی جس سے معاشی مساوات نمایاں ہوئی۔

حکومت کے سلسلہ میں ان الحکم الا للہ، کی قید سے انسانی حکومت اور مخلوقاتی جاہ واقتدار کی فرقہ واریت اور پارٹی سسٹم مٹا دیا جس سے سیاسی مساوات قائم ہوئی۔

بہر حال کسی بھی دوطرفہ معاملہ میں جانبداری یا افراط وتفریط کا شائبہ باقی نہیں چھوڑا

جس سے یہ فرقہ واریتیں ابھرتی ہیں بلکہ خالص عدل واعتدال کا نقطہ نمایاں کر کے سامنے رکھ دیا ہے اوران میں سے ہر چیز کے ردوقبول کا معیار خدا کا نام اور خدا کا حکم قرار دیا ہے جس کی حکمرانی اور حقیقی بادشاہت اور اسکی اطاعت وانقیاد سے دنیا کے کسی فرد بشر کو انحراف نہیں اور اس لئے اس نے اعلان عام کیا کہ

''آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو کہ ہمارے اور تمہارے درمیان برابر ہے یہ کہ بجز اللہ کے ہم کسی اور کی عبادت نہ کریں اور اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں۔ اور ہم میں سے کوئی دوسرے کو رب قرار نہ دے خدا تعالیٰ کو چھوڑ کر۔ پھر اگر وہ لوگ اعراض کریں تو تم لوگ کہہ دو کہ تم اسکے گواہ رہو کہ ہم تو ماننے والے ہیں''۔ (سورۃ العمران آیت نمبر ۶۴)

خلاصہ یہ نکلا کہ دنیا کے ان بکھرے ہوئے عناصر واجزاء کو جو فرقہ وارانہ کشمکش میں پڑے دم توڑ رہے ہیں نہ وطن جوڑ سکتا ہے کہ اس میں خود حد بندی اور تفریق ہے نہ نسل وخون جوڑ سکتا ہے جس میں خود رنگ وبو کا تضاد ہے نہ قومیت جوڑ سکتی ہے جس میں خود کالے گورے اور روشن وتاریک کا فرق ہے نہ دولت وحکومت جوڑ سکتی ہے۔ جو خود حرص وہوس کا ٹکراؤ اور تضاد سے منشاء (پیدا شدہ) جنگ وجدال ہے نہ کہ منشاء میل ومحبت۔ نہ مختلف مذاہب کے لیبل جوڑ سکتے ہیں۔ جو خود رنگا رنگ ہو کر انسانوں کو رنگ برنگ کئے ہوئے ہیں۔ بلکہ وہی اصل الاصول ذات جوڑ سکتی ہے۔ جس میں نہ تفرق ہے نہ ترکیب نہ جزئیت ہے نہ بعضیت نہ رنگ ہے نہ بو۔ نہ صورت کی حد بندیاں ہیں نہ شکل کی رنگا رنگیاں، نہ نسلیت ہے نہ قومیت نہ وطنیت کی نسبت ہے نہ قومیت کی خصوصیت۔ نہ حد بندی ہے نہ تفریق وتقسیم بلکہ وحدانیت محضہ ہے یکتائی ہے محبوبیت عامہ ہے۔ مرکزیت مطلقہ ہے وہ جو سارے وطنوں سے بالاتر، تمام قومیتوں سے اوپر، ہر نسل وخون سے بری، ہر محتاجگی سے منزہ، ہر عیب ونقص سے مبرا، ہر غرض اور لوث سے پاک اور ہر جانبداری اور طرفداری

سے مقدس اور اس لئے سارے وطنوں پر یکساں حکمران ساری نسلوں کا بلاشرکت غیرے خالق ساری قوموں کا تنہا مربی اور سارے ہی اعیان واکوان زمان ومکان اور ارواح واجسام میں تن تنہا متصرف ہے جس کا نام مبارک اللہ ہے جس کی شان غنی عن العلمین ہے جس کا لقب رب العالمین ہے جس کی صفت ارحم الراحمین ہے جس کا خطاب خودی احکم الحاکمین ہے۔ اسی کی معبودیت پر سب متفق ہیں اسی ایک کو سب اپنا مالک مانتے ہیں۔ اور اسی کو سب مختلف ناموں سے یاد کرتے اور پکارتے ہیں۔ اس لئے ان بکھری ہوئی قوموں کو اسی کا نام جوڑ سکتا ہے جو سب کے دلوں میں یکساں پر عظمت ہے کہ اس کا نام آتے ہی سب گردن جھکا دیتے ہیں ایک وطن والا دوسرے کے وطن کے آگے کبھی نہیں جھکے گا۔ لیکن یہ دونوں وطن مل کر اس کے نام پر جھک جائیں گے۔ ایک قوم دوسری قوم کی غلامی اور زیردستی خود کبھی قبول نہیں کرے گی لیکن یہ دونوں قومیں مل کر خدائے برتر کی غلامی میں فخر محسوس کرنے لگے گی۔ ایک نسل دوسری نسل سے یقیناً رقابت کا چور دل میں رکھے گی۔ لیکن یہ ساری نسلیں مل کر اس کی حاکمیت کو بالیقین مان لیں گی۔ پس ہر اونچ نیچ کو مٹا کر ہر ذات پات کو قطع کر کے ہر فرقہ واریت کو ختم کر کے جو چیز دنیا کے ان متضاد عناصر کو ایک سطح پر لا سکتی ہے۔ وہ خدا کا نام ہے یعنی من وتو میں ہمہ شما میں اور ہم میں اور تم میں جو چیز یکساں اور برابر ہے وہ خدا کی معبودیت ہے۔ اگر بلاشرکت غیرے اس کی ذات کو سب اپنے سامنے رکھ لیں تو یہی ایک نقطۂ اشتراک ہے۔ جو اقوام عالم کو جوڑ سکتا ہے۔ یہی وہ کلمہ ہے جس کو کلمة سواء بيننا وبينكم کے بلیغ عنوان سے قرآن نے دنیا کی قوموں کے سامنے پیش کیا ہے۔ پس اسلام نے اگر فرقہ واریتیں مٹانے کے لئے قوموں کی شخصی خصوصیتوں سے الگ ہو کر ایک جامع، واسع، غالب، مرجع الکل اور مرکز الکل نقطۂ اشتراک کی طرف توجہ دلائی تو کیا یہ اسلام کا کوئی جرم ہے کہ فرقہ واریت کا نام لے کر اس سے ڈرایا جائے؟ وہ تو انتہائی وسعت ورواداری سے دنیا کی قوموں کو فرقہ وارانہ

کشاکش سے بچانے کے لئے ان کی قدر مشترک کی طرف لا رہا ہے تا کہ اقوام دنیا میں باہمی اشتراکیت عمومیت اور وسعت پیدا ہو جائے۔ اور واضح کر رہا ہے کہ اشتراکیت عامہ پر لانے والے ازم اگر دولت، وطن، قوم نسل، رنگ، اقتدار وغیرہ کے نقطوں پر اقوام عالم کو جمع کرنا چاہیں گے تو وہ نہ صرف یہی کہ اس مقصد میں ناکام ثابت ہونگے بلکہ فرقہ واریت کی آگ کو بھڑکانے والے ثابت ہوں گے کیونکہ یہی چیزیں تو فرقہ واریتوں کا سرچشمہ ہیں جس سے دنیا فرقہ وارانہ تعصّبات کے جہنم میں جل رہی ہے تو پھر ان ہی سے فرقہ واریت کے استیصال کی امیدیں باندھنا یا تو نادانستہ دو ضدوں کو جمع کرنا ہے جو محال ہے یا دانستہ دنیا کو دھوکہ دینا ہے جو انتہائی خود غرضی ہے۔

کہا جا سکتا ہے کہ آج خدا اور مذہب کا نام لے کر بھی تو فرقہ وارانہ کشمکش کو ہوا دیجا رہی ہے اور اس نام پر بھی تو لاکھوں بندگان خدا کے خون اور جذبات سے کھیلا جا رہا ہے۔ تو کیا یہ نام بھی کہیں فرقہ وارانہ کشیدگیوں کا سرچشمہ تو نہیں؟ اس صورت میں قرآن کا اس نام کو کلمة سواء فرمانا آخر کیا معنی رکھتا ہے؟ میں عرض کروں گا کہ قرآن حکیم نے محض خدا کے نام یا مذہب کے لیبل کو بطور نقطہ اشتراک پیش نہیں کیا اور نہ اسے کلمة سواء فرمایا۔ بلکہ خدا کی تنہا معبودیت اور بلا شرکت غیرے حاکمیت کو قدر مشترک اور کلمة سواء کہا ہے جس کی تمام دنیا دعویدار ہی نہیں بلکہ اسے دل سے معقول بھی تسلیم کرتی ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ اور قوموں نے فرقہ واختلاف مٹانے کا پروگرام اس بین العالمی کلمہ سے اخذ نہیں کیا بلکہ وطن قوم، اور نسل وغیرہ کے کلمات سے لیا ہے جو خود فرقہ واریتوں کا سرمنشاء ہیں مگر اپنی غلط فہمی یا خود غرضی نے اسے تہذیب کا نام دیا ہے خدا کے نام پر یا کم از کم اس کا نام لے کر یہ وطنی اور قومی خود غرضیاں پھیلا رکھی ہیں۔ اس لئے لوگوں کی یہ ساری اختراعی فرقہ بندیاں خدا کے نام لگ جاتی ہیں۔ اور سطح پرستوں کو یوں نظر آنے لگتا ہے کہ یہ ساری جنگیں اور قومی جھگڑے خدا کے نام نے دنیا میں پیدا کر رکھے ہیں۔

اس کے برعکس اسلام نے چونکہ ان سب وطنی قومی نسلی اور لسانی وغیرہ کے امتیازات کو مٹا کر عالمگیر اخوت اور عالمگیر اتحاد کا عملی پروگرام اس ذات سے لیا ہے۔ جو بین العالمیت سے بھی بالاتر ہے کہ سارے عالم ہی خود اس کی لامحدود وسعتوں کے احاطہ میں آئے ہوئے ہیں۔ اور یہ ہماری ساری حد بندیاں اس کی لامحدودیتوں کے نیچے آ کر ختم ہوجاتی ہیں اس لئے وہ فرقہ واختلاف کو تو کھلے بندوں ان وطن وقوم وغیرہ کے دیوتاؤں کے سر ڈالتا ہے۔ اور وحدۃ واتحاد عالمگیریت اور بین الاقوامیت بلکہ بین العالمیت کی وسعتیں خدائے برتر کے نام لگاتا ہے جو ایک واقعی حقیقت ہے نہ خود فریب میں ہے نہ دوسروں کو فریب دینا چاہتا ہے۔ بلکہ جو جس کا حصہ ہے وہ اسی کو دیتا ہے وحدت خدا کو دیتا ہے۔ اور شرکت وکثرت اور اس کی تضاد سامانی ان وطن وقوم وغیرہ کے رشتوں کو، اس کا حاصل یہ نکلتا ہے کہ اور قوموں کے پاس اس دعویٰ یا عقیدہ کا کہ خدا کا نام ہم سب میں قدرے مشترک ہے کوئی پروگرام نہیں ہے کہ اسے پیش کر کے وہ اقوام کو جوڑ سکیں اُن کے پاس پروگرام ہے تو اسی وطنیت اور قومیت وغیرہ کا ہے جسے مقبول بنانے کے لئے بہ تکلف خدا کے نام لگایا جاتا ہے۔ مگر اس فریب آمیز نامردگی سے ان فرقہ خیز اشیاء کی حقیقت چھپی نہیں رہتی۔ اور وہ اس نامردگی کے باوجود بھی دنیا میں وہی کشمکش اور منافرت باہمی کا زہر پھیلاتی ہیں جو ان کی اصلیت میں رکھا ہوا ہے۔ اور جب دنیا ان کی زہر افشانیوں سے تنگ اور مایوس ہو کر ان وطن وغیرہ کے کلموں سے ہٹنے لگتی ہے تو یہ فریب دہندگان ازلی ان خامیوں اور ناکامیوں کو خدا اور مذہب کے سر ڈال کر وطن وغیرہ کے کلمات کی تقدیس کرنے لگتے ہیں اور خود بری الذمہ بن جاتے ہیں لیکن اسلام کے پاس اس عالمگیری اور بین الاقوامیت کا صحیح، معقول اور منقول پروگرام موجود ہے۔ اس لئے نہ اسے فریب خوردگی کی ضرورت ہے نہ فریب دہی کی۔ وہ کھلے بندوں دعویٰ کرتا ہے کہ عالم کے انتشار کا اصلی سبب ہی ان فرضی خداؤں وطن وقوم ونسل ورنگ کے سامنے سربسجود ہونا ہے جس

کے جوہر میں حد بندی اور انقطاعیت (ٹکڑوں میں بانٹنا) داخل ہے اسلئے جب تک نسلی امتیازات وطنی تفوقات اور قومی افتراقات مٹا نہیں دیئے جائیں گے اس وقت تک یہ باہمی بداعتمادی منافرت دھڑہ بندی اور مابینی (باہمی) آویزش ختم نہیں ہوسکتی۔ اور اس کے بعد جب تک کسی ایسے ایک مرکز سے وابستگی نہ ہوگی جس کے جوہر ہی سے تفرقہ، تعدد، تضاد، کثرت، حد بندی اور انقطاعیت خارج ہو اس وقت تک عالم میں باہمی وحدۃ، الفت، جذب وکشش، میل ملاپ اور اتحاد ذات البین پیدا نہیں ہوسکتا۔ اور وہ صرف اللہ کی ذات بابرکات ہے اس لیے اس نے ایک پروگرام تو منفی پہلو میں پیش کیا جس کی رو سے ہر غیر اللہ کی مرکزیت ختم ہوجاتی ہے۔ جو مخلوق کو منتشر کردے خواہ وہ وطن ہو نسل ہو قوم ہو، دولت ہو، حکومت ہو، صورت ہو، مورت ہو اپنا نفس ہو یا عناصر وکواکب کے نفوس ہوں۔ کچھ بھی ہو کوئی انسان اور کوئی قوم نہ ان کے سامنے جھکے نہ انہیں مرکز فکر بنائے نہ انہیں غایت عمل بنائے نہ یہ چیزیں مساعی اور کوششوں کا منتہا بنائی جائیں اسی پہلو کی قدرے تفصیل میں نے اس تقریر کے شروع میں پیش کی تھی۔ اور عرض کیا تھا کہ جس کو فرقہ واریت اور دھڑہ بندی کہتے ہیں۔ وہ انہی فرضی دیوتاؤں کے سامنے جھکنے کا ثمرہ ہیں اس لئے اسلام نے وطنی فرقہ واریت نسبی فرقہ واریت اور ہر نوع کی فرقہ واریت کا بیخ وبن سے استیصال کر کے خود ان مصنوعی مرکزوں کو ختم کرتا ہے تاکہ دنیا انتشار سے نجات پاسکے۔ اور منافرت باہمی کے وبال سے یہ دوارب (اب پانچ ارب سے زائد) کی دنیا چھٹکارا حاصل کرلے اس منفی پروگرام کی تفصیلات سے جن میں شرک اور تفرق کی جڑیں کاٹ دی گئی ہیں قرآن کی آیات اور سنت نبویؐ کی روایات بھری ہوئی ہیں جن کے گنانے کا یہ موقع نہیں۔

رہا اس پروگرام کا مثبت پہلو کہ ان فرضی مرکزوں سے بچ کر اصلی مرکز سے وابستگی کا لائحہ عمل کیا ہے؟۔ باالفاظ دیگر شرک سے بچ کر توحید کامل کا دستور العمل کیا ہو؟ سو یہ پروگرام بھی

اسلام ہی دنیا کو سکھلا سکتا ہے۔ کیونکہ جو ماسوا (اللہ کے علاوہ سے) قطع (تعلق) کرنے کی راہیں دکھلا سکتا ہے۔ وہی اصل سے وابستہ کرنے کی تدبیریں بھی بتلا سکتا ہے۔ جوازم اور مسالک ماسویٰ سے انقطاع کی راہیں ہی نہیں کھول سکے بلکہ انہوں نے انسانوں کو ماسویٰ ہی میں الجھائے رکھا ہے وہ اصل سے وابستہ کرنے کا دستور تو بجائے خود ہے اس کا فکر بھی دماغوں میں نہیں ڈال سکتے۔ اور اس لئے جو عالمگیر اصل سے وابستہ کر سکتا ہے وہی عالمی نظام بھی دنیا کے سامنے پیش کر سکتا ہے۔ جو مسالک عالمگیر کے بجائے حد بندیوں نسلیت، قومیت، وطنیت کے پروگرام رکھتے ہیں وہ عالمگیر نظام کیا پیش کر سکتے ہیں؟

اسلام نے تو اس مثبت پہلو کے سلسلہ میں اس مرکز کائنات سے وابستہ کرنے کے عملی پروگرام سے پہلے ہر فکر و خیال تک کو بھی اسی مرکز حقیقی سے جوڑنا چاہا۔ یعنی ملک و سلطنت ہی نہیں عادتاً عبادت ہی نہیں فکر و خیال اور وہم و تصور میں بھی کلمہ اللہ ہی کو بسایا ہے گویا وہم و خیال میں بھی غیر کا دخل نہ آئے حتیٰ کہ خود اپنے نفس کو ہی اس مقام میں غیر بنا دیا ہے جس سے انقطاع ضروری قرار دیا ہے۔ امید ہو کہ بیم، رنج ہو کہ راحت، شوق ہو کہ وحشت، محبت ہو کہ عداوت، صلح ہو کہ جنگ، عزت ہو یا ذلت نصرت ہو یا بے کسی، سکون ہو یا تشویش، عادت ہو کہ عبادت، معاملہ ہو یا معاشرت، سب میں رجوع ایک ہی کی طرف رکھا ہے اور اس ایک کی طرف جو سب پر حاوی سب پر شامل سب پر غالب اور سب پر واسع اور ہمہ گیر ہے۔ چنانچہ قرآن کی تعلیمات نے رہنمائی کی کہ۔

مثلاً اگر تمہیں عزت کا تصور ہو تو فان العزة لله (یقیناً عزت اللہ ہی کے لئے ہے سورۃ یونس آیت نمبر ۶۵) پر دھیان کرو۔ اگر قوت و شوکت کا خیال گزرے تو ان القوة لله (بلاشبہ طاقت اللہ ہی کیلئے ہیں۔ سورۃ البقرۃ آیت نمبر ۱۶۵) پر نظر کرو اگر حکومت کا تصور

بندھےتوان الحکم الا للہ (حکم تو اللہ ہی کا ہے سورۃ الانعام آیت نمبر ۵۷) کو دیکھو۔اگر زمین جائیداد کا دھیان آئے توان الارض للہ (قطعی طور پر زمین اللہ ہی کی ہے۔سورۃ الاعراف آیت نمبر ۱۲۸) پر نگاہ جماؤ۔اگر امید کی ٹھہرے تو لاتائیسوا ء من روح اللہ (اللہ کی رحمت سے مایوس مت ہو۔سورۃ یوسف آیت نمبر ۸۷) کا خیال کرو اگر بے فکری کے جراثیم ستائیں تو لایامن مکر اللہ (اللہ کی تدبیر سے صرف خسارے والے لوگ ہی بے فکر ہوتے ہیں۔سورۃ الاعراف آیت مبر ۹۹) کو فراموش نہ کرو۔اگر یاس و ناامیدی ابھرے تو لاتقنطوا من رحمۃ اللہ (اللہ کی رحمت سے ناامید مت ہو۔سورۃ الزمر آیت نمبر ۵۳) کو یاد کرو۔اگر نعمت آجائے تو وما بکم من نعمۃ فمن اللہ (تمہارے ساتھ جو بھی نعمت ہے وہ اللہ کی طرف سے ہے۔سورۃ النحل آیت نمبر ۵۳) کو سوچو۔اگر مصیبت چھا جائے تو ما اصاب من مصیبۃ الا باذن اللہ (جو مصیبت پہنچتی ہے وہ اللہ کی اجازت سے ہے۔سورۃ التغابن آیت نمبر ۱۱) کو یاد کرو۔صبر کرو تو وما صبرک الا باللہ (اور تیرا صبر کرنا اللہ ہی کی توفیق سے ہے۔سورۃ النحل آیت نمبر ۱۲۷) کو زیر نظر رکھو شکر کرو تو ان اشکر للہ (اللہ کا شکر کرتے رہو۔سورۃ لقمان آیت نمبر ۱۲) کو ملحوظ رکھو ناز کی کیفیت ہو تو اتقو اللہ (اللہ سے ڈرتے رہو۔سورۃ البقرۃ آیت نمبر ۱۸۹) کا پاس کرو۔نیاز کا غلبہ ہو تو واعبدو اللہ (اور اللہ کی بندگی کرو۔سورۃ النساء آیت نمبر ۳۶) کو پیش نظر رکھو۔سکون قلب کی خواہش ہو تو الا بذکر اللہ (خبردار! اللہ کی یاد ہی سے دل تسکین پاتے ہیں۔سورۃ الرعد آیت نمبر ۲۸) یاد رکھو۔نصرت و مدد مطلوب ہو تو وما النصر الا من عنداللہ (اور مدد تو صرف اللہ ہی کی طرف سے ہے۔سورۃ آل عمران آیت نمبر ۱۲۶) کو محفوظ رکھو۔دولت کی دھن ہو تو آتو ھم من مال للہ (اور انہیں اللہ کے مال میں سے دو جو اس نے تمہیں دیا۔سورۃ النور آیت نمبر ۳۳) کا دھیان باندھو۔خرچ کا جذبہ ابھرے تو انفقو فی

سبیل اللہ (اوراللہ کی راہ میں خرچ کرو۔سورۃ البقرۃ آیت نمبر۱۹۵) کوسامنے رکھو۔محبت کا مقام آئے تومن احب فی اللہ (جومحبت کرے اللہ کے لئے) کونہ بھولو۔عداوت کا موقعہ آئے تومن ابغض فی اللہ (جوبغض کرے اللہ کیلئے) کوذہن نشین کرو۔کوئی طاقتورسامنے آئے تولا قوۃ الا باللہ (طاقت نہیں مگراللہ کے ساتھ) کوزیرنظررکھو۔نیکی بدی کی پیدائش کا سوال ہوتو کل من عنداللہ (کہہ دے کہ یہ سب اللہ کی طرف سے ہے۔سورۃ النساء آیت نمبر۷۸) کو پڑھو۔

جائزوناجائز کی حدود کی بحث آئے توتلک حدود اللہ (اور یہ اللہ کی حدیں ہیں۔ سورۃ الطلاق آیت نمبر۱) پرغورکرو۔معاہدہ کروتواوفوا بعھد اللہ (اوراللہ کا عہد پوراکرو جب آپس میں عہد کرو۔سورۃ النحل آیت نمبر۹۱) کا خیال رکھو۔راستی پرآؤتوقل صدق اللہ (کہہ دو اللہ نے سچ فرمایا۔سورۃ آل عمران آیت نمبر۹۵) کہو۔اور خلاصہ یہ ہے کہ جب کوئی مخلص اخلاص برتے تولا الہ الا اللہ کا تصور باندھےاور جب کوئی متبع اتباع حق کرے تو محمدرسول اللہ کا دھیان باندھے۔

غرض قلب وقالب کا کوئی بھی مقام ہو ہرموقعہ پراسی ایک مرکز وجود کا تصوراسی ایک کی عقیدت اوراسی ایک طرف رجوع بتایا ہے۔گویازندگی کی ہرنقل وحرکت کا منتہیٰ (جس پر بات ختم ہو)۔اور ہرخیال وعمل کا مرجع (جس کی طرف وہ رجوع کرے) اور ہرغایت کی آخری غایت صرف ایک ہی کوقراردیا گیا۔وان الی ربک المنتھی (اور یہ کہ تیرے رب تک سب کو پہنچنا ہے۔سورۃ النجم آیت نمبر۴۲) اور ان الی ربک الرجعی (اور بے شک تیرے رب کی طرف پھرجانا ہے۔سورۃ العلق آیت نمبر۸)۔

پس قلب کا کوئی ہی جذبہ ہوامید ہو یا بیم،عیش ہو یا مصیبت،راحت ہو یا کلفت،خلوۃ

ہو کہ جلوۃ، انفرادیت ہو یا اجتماعیت اسے مرکز کائنات کی لامحدود وسعتوں کی طرف رجوع کر کے جس کے تحت ساری اقوام وامم ہیں۔ شخصی یا طبقاتی مفاد تک محدود نہیں رکھا بلکہ عالمگیر بنا دیا ہے۔ گویا محبت وعداوت بھی ہو تو عالمگیر مفاد کے لئے، مساعی معاش ومعاد بھی ہو تو ہمہ گیری کی رعایت کے لئے، جمع وتقسیم بھی ہو تو عالمگیر منافع کے پیش نظر کیونکہ لوجہ اللہ (اللہ کی خاطر) ہو کر شے قدرتاً ہمہ گیر ہی ہو جائیگی۔ اس لیے اسلام ہی جو اپنے منفی اور مثبت پہلوؤں کے لحاظ سے صرف مرکز کائنات (اللہ) کو جو اپنا منتہائے نظر اور منتہائے مقصد ٹھہراتا ہے اس دنیا میں عالمی نظام قائم کر سکتا ہے جس سے فرقہ وارانہ حد بندیاں ختم ہو سکتی ہیں نہ وہ ازم اور مسالک جس کا منتہائے نظر یا زمین کا کوئی محدود ٹکڑا ہو یا انسانی برادری کا کوئی مخصوص طبقہ ہو یا دولت ومال کا کوئی مخصوص حصہ ہو کہ ان میں وسعت نظر ہی پیدا نہیں ہو سکتی۔ چہ جائیکہ ان کے قلوب میں کسی وسیع نظام اور عالمگیر انتظام کے فکر کی گنجائش ہو۔

اب اگر دنیا کی قومیں اسلام کے اس ''منفی'' پروگرام پر آ جائیں کہ خدا کو مرکز علم فکر وخیال اور مرکز قول وعمل بنا کر ان متوازی خداؤں وطن وقوم اور نفس ونفوس وغیرہ کو دل سے ہٹا دیں اور صرف جمالی طور اس کی توحید عبادت پر آ جائیں تو یہ ایک قدر مشترک ہوگا جو دنیا کی تمام اقوام کو ایک سطح پر لے آئیگا۔ زیادہ سے زیادہ عملی پروگراموں کا فرق رہ جائیگا۔ جس سے قوموں میں قومی خصوصیات قائم رہیں گی مگر مرکز ایک ہو جانے سے یہ خصوصیات باہم ٹکرا نہ سکیں گی اور ان میں تصادم اور تراجح (ایک دوسرے پر فوقیت) قائم نہ رہے گا جس سے فرقہ وارانہ کشیدگیوں کو پرورش پانے کا موقع ملتا ہے اور دوسرے الفاظ میں حقیقی طور پر ایک مضبوط اور مستحکم متحدہ قومیت قائم ہو جائیگی۔

اور اگر منفی پہلو کے ساتھ اسلام کے مثبت پروگرام کو بھی اقوام قبول کر لیں جس میں

ہر فکر وعمل کا معیار اللہ کو قرار دیا گیا ہے اور ہر قول وفعل کے موقع پر قلب میں صرف یہی ایک کلمہ بسا دیا گیا ہے کہ اسی سے اخلاق کا تخلق (آراستگی) ہو۔ اور اسی سے عمل کا تعلق ہو۔ اور قلب وقالب اسی کے لئے مطیع ومسلم بن جائیں تو پھر دوء باقی نہ رہے گی۔ جس سے فرقہ واریت کا احتمال بھی پیدا ہو۔ اور حقیقی معنیٰ میں وحدۃ قومیت قائم ہو جائیگی۔ غرض وحدت اقوام ہو یا اتحاد اقوام ان مصنوعی مرکزوں سے قائم نہیں ہوسکتی۔ جنہیں دنیا کی قومیں عالمگیری کے جذبہ کا نام لے کر پیش کر رہی ہیں، بلکہ وحدت یا اتحاد کا حقیقی پروگرام صرف اسلام ہی نے پیش کیا ہے جس پر عالمی نظام کا نقشہ اس طرح بن سکتا ہے۔ اور دنیا کی ساری قومیں اس نقطہ پر آجائیں۔ ان کا پلیٹ فارم بھی عالمی ہو ان کی حکومت بھی عالمی ہو۔ ان کی دیانت بھی عالمی ہو۔ اور سیاست بھی عالمی ہو۔ اور جو اقوام نہ ہوں بلکہ یا قوم متحدہ ہوں یا قوم واحد ہوں۔ اور جس طرح ابتداء آفرینش کے وقت وہ ایک طریقہ اور ایک ہی دین پر تھے گو قلیل تھے اسی طرح وہ اب انتہائے دنیا پر بھی سب مل کر ایک ہی راستہ پر آجائیں اگر چہ کروڑوں اور اربوں ہوں کہ اول بآخر نسبتے دارد۔ پس اسلام کی اصل بنیاد وحدت ہے۔ فرقت نہیں۔ جمع ہے تفریق نہیں۔ اجتماع ہے انقسام نہیں۔ اتحاد ہے فرقہ واریت نہیں۔ اس لئے فرقہ واریت سے بچنے والوں کے لئے بلاشبہ ان مذاہب سے بچتے رہنے کی ضرورت ہے جو اپنی ابجد ہی سے تفریقوں تقسیموں اونچ نیچ اور چھوت چھات وغیرہ سے دنیا کو فرقوں اور ذاتوں میں بانٹ کر عالمگیری کے تصور تک سے بھی محروم کئے ہوئے ہیں لیکن جو مذہب ہی فرقہ واریتوں کے مٹانے کے لیے آیا ہے اس سے بچنے کے معنی یہ ہوں گے کہ وہ فرقہ واریت سے بچنے کا نام لے کر دنیا میں فرقہ واریت کو فروغ دینا چاہ رہے ہیں۔

(بشکریہ۔ ماہنامہ دارالعلوم۔ رجب تا شوال ۱۳۷۰ھ)

شاہ ولی اللہ میڈیا فاؤنڈیشن کی دستیاب مطبوعات

دین کے معاشی نظام میں محنت کی قدر و قیمت
قرآنی اصول معاشیات
اجتماعی مسائل کا ولی اللّٰہی حل
شعوری تقاضے
جدوجہد اور نوجوان
اسلام کا اقتصادی نظام ایک تقابلی جائزہ
ولی اللّٰہی تحریک
امام شاہ عبدالعزیزؒ افکار اور خدمات
نظام کیا ہے؟
فرد اور اجتماعیت
عبادت و خلافت
حضرت مولانا محمد الیاس کا تصور دین
غلبہ دین اور عبادات
ثناء خداوندی
جدوجہد آزادی کا راہنما ادارہ
دینی تمدن کی تشکیل نو
استعماری مظالم اور ملی تقاضے
شریعت، طریقت اور سیاست

دین اور حکومت
آزادی
ولی اللّٰہی نظام فکر کی عصری اہمیت
دین وحدت
ولی اللّٰہی جماعت کا انقلابی کردار اور ہماری ذمہ داریاں
آزاد قومی پالیسی کا خاکہ
عزیمت (۱)
عزیمت (۲)
مولانا سندھیؒ کا ایک اہم مکتوب
جہاد کیا ہے؟
شاہ عبدالعزیز رائے پوری اور ان کے جانشین
خانقاہ رائے پور
عزیمت (۳)
غلبہ دین اور اس کے اجتماعی تقاضے
تقویٰ کیا ہے؟
دین حق اور برصغیر کا سامراجی نظام تعلیم
مولانا محمد الیاس دہلوی کا تصور دین
عدم تشدد کی حکمت عملی (اسوۂ حسنہ کا ایک مطالعہ)

ملنے کا پتہ
(۱) پوسٹ بکس نمبر 8 ... گلگشت ملتان (۲) عزیز پبلی کیشنز 56 میکلوڈ روڈ لاہور